اُردو کی تعلیم کے لِسانیاتی پہلو

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ
ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی
ریڈر شعبۂ اُردو دہلی یونیورسٹی

آزاد کتاب گھر، کلاں محل۔ دہلی ۶

برائے شعبہ اردو ادب

اُردو کی تعلیم کے لِسانیاتی پہلو

(بعد نظرِ ثانی و اِضافہ)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

ایم۔اے؛ پی۔ایچ۔ڈی

ریڈر اُردو، دلّی یونی ورسٹی

آزاد کتاب گھر، کلاں محل۔ دلّی ۶

جملہ حقوق محفوظ

قیمت: ایک روپیہ ۹۰ نئے پیسے

(انڈیا لیتھو پریس دہلی)

دوسرا ایڈیشن

جنوری ۱۹۶۷ء

آزاد کتاب گھر کلاں محل۔ دلّی ۶

فہرست

دیباچہ	۵
زبان اور تعلیمِ زبان	۹
صوتیات	۱۵
مصوتے	۱۸
نیم مصوتے	۲۰
مصمتے	۲۲
صوتیاتی تجزیہ	۲۵
مصمتی فونیم	۲۹
ہ ، ح	۳۱
ک ، گ	۳۶
ت ، ط	۳۸
م ، ن	۳۸
س ، ص ، ث	۴۱
ز ، ذ ، ض ، ظ اور ژ	۴۲
مصوتی فونیم	۴۳
مصوتی غنائیت	۴۶

ع اور ہمزہ	۴۷
نیم مصوتے	۴۹
بالاصوتی امتیازی عناصر	۵۱
جوڑ	۵۵
اُردو فونیم کی تعداد	۵۵
استعمالِ اصوات	۵۷
جڑواں مصمتے	۵۹
مادری زبان	۶۳
فطری طریقِ کار	۶۷
سماعی اور تقریری مشق	۶۹
ڈائرکٹ طریقِ کار	۷۰
تعاون	۷۱
علاماتِ خط	۷۲
ذخیرۂ الفاظ	۷۳
گرامر	۷۴
افہام اور اظہار کا فرق	۷۴
نظر بہ گذشتہ	۷۶
کتابیات	۷۹

دیباچہ

پچھلی نصف صدی میں لسانیات نے مغربی ملکوں میں حیرت انگیز ترقی کی ہے زبانیں اب آوازوں کا پریشان کن مجموعہ نہیں رہیں۔ ان کی ہیئت کا تجزیہ سائنسی اصولوں کی مدد سے کیا جا رہا ہے؛ اور مادری اور غیر مادری زبانوں کی تعلیم کے طریقے بدل رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اردو میں بھی اس علم پر توجہ کی جائے اور اس سے استفادہ کرنے کے امکانات کو واضح کیا جائے۔

اس برصغیر کے رہنے والوں کے لیے لسانیات یا اس کی اہم ترین شاخ صوتیات کوئی نئی چیز نہیں۔ ان علوم میں سنسکرت ماہرین کی کاوشیں لائقِ رشک رہی ہیں۔ جس ملک میں پانِنی کی اشٹ ادھیائی اور پاتنجلی کی مہابھاشیہ جیسی تصانیف لکھی گئی ہوں، اس کی اولیت میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں یہ چراغ اس وقت روشن تھے جب مغرب ابھی اپنے "دورِ جاہلیت" سے گزر رہا تھا۔ اس سلسلے میں عربوں کے کارنامے بھی کچھ کم وقیع نہیں۔ ان کے تعلیمی نظام میں بھی صوتیات کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ ابوعلی ابن سینا کی تصنیف اسباب حدوث الحروف، سیوطی کی الاتقان اور محققِ طوسی (خواجہ نصیر الدین صاحبِ اخلاق ناصری) کی معیار الاشعار کو عربوں نے علاوہ دیگر صوتیات کی تشکیل میں اہم حصہ رہا ہے۔ عربی میں تجوید اور ترتیل باقاعدہ علوم ہیں اور ان سے متعلق فنی و علمی حیثیت سے متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔

قدما کی یہ کوششیں قابلِ قدر ہیں اور ان کی اہمیت مسلّم ہے۔ لیکن موجودہ دور میں صرف انھیں پر تکیہ نہیں کیا جاسکتا۔ تب سے اب تک گنگا میں بہت پانی بہہ چکا ہے اور دنیا کہاں سے کہاں نکل آئی ہے۔ ہندوستان میں سنسکرت ماہرین کی ابتدائی کاوشوں کے بعد یہ علمی روایتیں گلدستۂ طاقِ نسیاں بن کر رہ گئیں جبکہ مغرب میں ایک بار یہ کام شروع ہوا تو پھر برابر جاری ہی رہا اور سال بہ سال ترقی کے نئے افق سامنے آتے رہے۔ پانینی کے بارے میں مشہور ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہوسکتا ہے لیکن اس کا فرمایا ہوا، غلط نہیں ثابت ہوسکتا۔ اس کے باوصف، قدیم صوتیات سے جدید لسانیات تک اتنا بڑا فاصلہ ہے کہ دونوں میں مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دنیا ہی دوسری ہے۔

جدید لسانیات نے فرسودہ اصولوں پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا ہے اور صوتیاتی تجزیے کو بنیاد بنا کر جو نیا نظریہ پیش کیا ہے، اس سے زبانوں کی دنیا میں انقلاب سا آگیا ہے۔ اس وقت ترقی یافتہ ملکوں میں زبان کی تعلیم صوتیات ہی کے اصولوں پر دی جاتی ہے اور یہ طریق کار نہایت کامیاب ثابت ہوا ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ ابھی تک مشرقیت کے گنبد میں بند ہیں اور پرانی لکیر پیٹے جارہے ہیں۔ ہمارے ملک میں زبانوں کی تعلیم اکثر ایسے اساتذہ کے ہاتھ میں ہے جنھیں لسانیات تو درکنار، صوتیات کے بنیادی اصولوں تک سے واقفیت نہیں ہوتی۔ پچھلے دو تین برسوں میں دہلی یونی ورسٹی میں امریکی، روسی اور ایرانی طلبا کو اردو پڑھانے کا اتفاق ہوا اور یہ بات بار بار محسوس کی گئی کہ جب تک صوتیات سے مدد نہ لی جائے، ابتدائی کام کی بنیاد مضبوط رکھی ہی نہیں جاسکتی۔

انھیں ضرورتوں کے پیشِ نظر یہ مختصر کتاب لکھی گئی ہے۔ تعلیمِ زبان کی نوعیت سے بحث کرنے کے بعد صوتیات اور استعمالِ اصوات کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ مثالوں اور نقشوں کے ذریعہ اُردو آوازوں کے فرق اور ان کے مخارج کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ اُردو میں لسانیاتی مسائل پر قلم اُٹھاتے ہوئے سب سے زیادہ دقّت اصطلاحات کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ میرے نزدیک اصطلاحات سازی میں بنیادی اہمیت الفاظ کے قرینے کے علاوہ ان کے چلن کی ہے۔ یہاں اصولوں کی حسین شاہراہ اتنی اہم نہیں جتنی استعمالِ عام کی سادہ اور سپاٹ پٹری۔ اصطلاحوں میں محض معیاری پسند کی ترازو سے کام نہیں چلتا بلکہ فیصلہ بہت کچھ رواج اور چلن پر چھوڑنا پڑتا ہے۔ چنانچہ زیرِ نظر کتاب میں اصطلاحیں صرف وہی استعمال کی گئی ہیں جو اُردو میں کچھ کچھ رواج پا چکی ہیں یا عام فہم ہیں۔ ان کے انگریزی مترادفات بھی ساتھ ساتھ درج کر دیے گئے ہیں۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن محدود پیمانے پر جولائی ۱۹۶۱ء میں شائع کیا گیا تھا۔ موجودہ حالات کے پیشِ نظر ایک برس کی قلیل مدّت میں اس کا ختم ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اُردو میں لسانیات سے دلچسپی بڑھ رہی ہے اور سائنسی بنیادوں پر کام کرنے کی کوششیں لائقِ اعتنا سمجھی جانے لگی ہیں۔ میرے لیے مقامِ شکر ہے کہ ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر اُن یونی ورسٹیوں میں جہاں اُردو تعلیم کا انتظام ہے، اس کتاب کو عام طور پر پسند کیا گیا۔ تاشقند یونی ورسٹی کے طلبا نے اسے اس حد تک مفید پایا کہ روسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ نئے ایڈیشن میں صوتیاتی تجزیے پر تقریباً تیس ۳۰ صفحے بڑھا دیئے گئے ہیں اور اُردو کی بنیادی اور ذیلی

آوازوں کی وضاحت کرتے ہوئے ان کے تعلقات، اشتراک اور اختلاف کی تفصیل بھی دے دی گئی ہے۔ میری یہ کوشش رہی ہے کہ ان مسائل کو ایسے انداز میں پیش کیا جائے کہ وہ حضرات بھی جو لسانیات میں تربیت یافتہ نہیں، اس کتاب کے ذریعے لسانیات کی بنیادی خوبیوں سے واقف ہوسکیں۔ مجھے یقین ہے کہ موجودہ صورت میں یہ کتاب زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔ اَلسَّعیُ مِنّی وَالِاتمامُ مِنَ اللّٰہ۔

دہلی

۲۸ دسمبر ۱۹۶۲ء

گوپی چند نارنگ

زبان اور تعلیم زبان

سائنس کی ایجادات نے جہاں سارے عالم کی طنابیں کھینچ دی ہیں، غیر ملکی زبانوں میں مہارت بہم پہنچانا بھی ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے اور جدید ماہرینِ تعلیم اس پر خاص توجہ صرف کر رہے ہیں۔ اس موضوع پر خیال آرائی کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے، اس میں بعض اوقات نہایت دل چسپ دعوے کیے جاتے ہیں۔ بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ زبان بچپن ہی میں سیکھی جا سکتی ہے، ایک بار یہ وقت گزر جائے، پھر کوئی لاکھ سر مارے، کسی نئی زبان پر مکمل عبور حاصل کرنا محال ہے۔ زباں دانی کی فطری صلاحیت کی بات دوسری ہے، ورنہ بالغ ہونے کے بعد کوئی اپنی ساری عمر ہی اہلِ زبان میں بسر کر دے، کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس اس قسم کے دعوے بھی عام ہیں کہ بعض لوگوں نے دس دس بارہ بارہ غیر ملکی زبانیں بالغ ہونے کے بعد ہی سیکھیں۔ امریکی فوجیوں کی تعلیم کے بارے میں مشہور ہے کہ انھیں پندرہ بیس روز کے سمندری سفر میں نئی زبان سکھا دی جاتی ہے۔ خود ہندستان میں "چالیس دن میں اُردو" اور "چھ ہفتے میں عربی" میں طاق بنا دینے کے دعوے دار موجود ہیں۔ اسی طرح کسی بھی ملک میں ایسے استادوں کی کمی نہیں جو غیر ملکی زبانوں کو چند روز میں پڑھا دینے کے مدعی ہیں۔

لیکن دراصل یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں۔ اس کا فیصلہ اسی وقت ممکن ہے جب ہمیں معلوم ہو کہ چند دنوں میں "زبان سیکھ لینے" سے تعلیمِ زبان کا کیا معیار مراد ہے؟

کیا فقط روزمرہ ضرورت کے چند جملے رٹ لینا اور حرف شناسی کے قابل ہو جانا زبان سیکھ لینے کے مترادف ہے یا زبان سیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ طالب علم نہ صرف صحیح تلفظ اور فقروں کی ساخت سے مکمل طور پر واقف ہو بلکہ اہلِ زبان NATIVE (SPEAKERS) کی طرح بے تکلفی سے بات چیت بھی کر سکے۔

اس سوال کا جواب دینے کے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ زبان میں بنیادی اہمیت اُس کے ذخیرۂ الفاظ کو حاصل ہے یا صوتیاتی نظام کو؟ ہمارے ملک میں اُن بچوں کو جن کی مادری زبان اُردو ہے، اس زبان کی تعلیم پہلے درجے سے ہائر سیکنڈری تک یعنی دس بارہ سال دی جاتی ہے تب کہیں جا کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اُردو زبان پڑھ لی۔ بعض طالب علم اُردو میں مہارت بہم پہنچانے کے لیے اسے مزید پانچ سال یعنی ایم۔ اے تک پڑھتے ہیں۔ لیکن اس سولہ برس کی تعلیم کے باوجود اگر کسی ہونہار سے ہونہار فارغ التحصیل ایم۔ اے کا امتحان پنی سازی، سادہ کاری، مال گذاری، ظروف سازی، اسپ شناسی یا کسی بھی خاص پیشے کی اصطلاحات میں لینا چاہیں تو اُسے بڑی حد تک نابلد پائیں گے۔ دور کیوں جائیے، نظیر اکبر آبادی نے آگرے کی پیراکی کے نقشے پیش کرتے ہوئے جو اصطلاحیں استعمال کی ہیں یا رتن ناتھ سرشار نے فسانۂ آزاد میں پتنگ بازی کے جو تلازمے باندھے ہیں، انھیں وہ لوگ بھی محنت اور کوشش کے بغیر نہیں سمجھ سکتے، اُردو زبان جن کا عمر بھر اوڑھنا بچھونا رہی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ زبان فقط الفاظ کا نام نہیں اور صرف الفاظ سے واقفیت بہم پہنچا لینے کو زبان سیکھ لینے کے مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا۔

لیکن یہ صحیح ہے کہ جب بھی ہم نئی زبان سیکھنے کے بارے میں سوچتے ہیں تو معاً ہمارا ذہن اُس کے الفاظ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اس کی سب سے

بڑی وجہ ہماری اپنی مادری زبان ہے۔ مادری زبان کی اصوات شروع ہی میں مستقل طور پر ہمارے ذہن نشین ہو جاتی ہیں اور پھر خود بخود ہم آوازوں کا فرق پہچاننے اور انھیں کامیابی سے ادا کرنے لگتے ہیں۔ جس طرح بڑے ہو کر ہم بھول جاتے ہیں کہ ہم نے اٹھنا بیٹھنا، کھڑا ہونا اور چلنا کیسے سیکھا، ویسے ہی زبان کی اصوات پر قدرت حاصل کرنے کی راہ میں پیش آنے والی دشواریوں اور دقتوں کا احساس بھی بعد میں کلیتہً زائل ہو جاتا ہے۔ اصوات کی طرح ہمیں یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ ہم نے اپنی مادری زبان میں الفاظ کے دروبست اور جملوں کی ساخت کے طریقے کیوں کر سیکھے۔ مادری زبان سے متعلق یہ تمام مراحل ہم خود بخود فطری طور پر طے کر لیتے ہیں اور ان میں ہماری پسند یا ناپسند کو مطلق دخل نہیں ہوتا۔ جیسے جیسے ہم بڑے ہوتے ہیں، زبان کی اصوات اور اس کی گرامر کچھ اس انداز سے ہماری غیر شعوری عادتوں کا حصہ بن جاتی ہے کہ اگر ہم یہ یاد کرنے کی شعوری کوشش کریں کہ ہم نے یہ سب کس طرح اور کب سیکھا تو بھی کچھ یاد نہیں آتا۔ لیکن الفاظ کا معاملہ بالکل جدا ہے، ان کا تعلق انفرادی تجربے سے ہے۔ بچپن میں تجربے کی نوعیت بہت محدود ہوتی ہے چنانچہ ایک بچے کا ذخیرۂ الفاظ بھی اسی نسبت سے محدود ہوتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا ہے، اس کے تجربے کی حدیں بھی وسیع ہوتی ہیں اور اس کے ذخیرۂ الفاظ میں نئے نئے لفظ جمع ہونے لگتے ہیں۔ زبان کی اصوات اور اس کے صرفی و نحوی قواعد کا استعمال بڑے ہونے پر بھی جوں کا توں رہتا ہے لیکن الفاظ پر قدرت عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے اور بڑھتی ہی رہتی ہے۔ چنانچہ مادری زبان پر حاوی ہونے کے طویل عمل کا فقط یہی ایک حصّہ ہے، جس کا ہم احساس کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نئی زبان سے متعلق سوچتے ہوئے بھی ہم سب سے زیادہ اہمیت الفاظ ہی کو دیتے ہیں اور اس کے بنیادی پہلو یعنی صوتیاتی نظام اور صرفی و نحوی ڈھانچے کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔

زبان کو "الفاظ کا کھیل" سمجھنے کی غلطی افسوس ناک حد تک عام ہے اور ہمارے نظامِ تعلیم میں بھی بُری طرح راہ پا چکی ہے۔ جدید لسانیات نے اس بات پر زور دیا ہے کہ فقط الفاظ سے واقفیت بہم پہنچا لینا زبان سیکھنے کے مترادف نہیں۔ ایسا ہوتا تو غیر ملکی زبان کی لغت پڑھ لینے سے زبان آجاتی۔ عام اندازہ ہے کہ سو برس میں ہر زندہ زبان کے تقریباً دس فی صدی الفاظ متروک ہو جاتے ہیں اور نئے اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس زبان کا صوتیاتی و نحوی ڈھانچہ صدیاں گزر جانے کے باوجود جوں کا توں رہتا ہے اور اس میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوتی چنانچہ اصل چیز زبان کا صوتیاتی نظام اور اس کا صرفی و نحوی ڈھانچہ ہے۔ لسانیات کے نقطۂ نظر سے زبان سیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ طالب علم نہ صرف اہلِ زبان کی بات چیت سمجھ سکے بلکہ زبان کی مخصوص آوازوں کو پیدا کرنے اور ان سے بننے والے الفاظ کو ترتیب دینے اور جملوں میں اس طرح پیش کرنے پر بھی قادر ہو کہ اہلِ زبان اس کے مفہوم کو پوری طرح سمجھ جائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے لسانیات نے زبانوں کے توضیحی تجزیے کو بنیاد بناتے ہوئے بعض ایسے اصول پیش کیے ہیں، جن کی بدولت غیر ملکی زبانوں کی تعلیم میں ایک انقلاب سا آگیا ہے، قدیم نظامِ تعلیم کی کوتاہیاں دُور کی جا رہی ہیں اور پرانی روشوں کو بدلا جا رہا ہے۔ مختلف زبانیں جو آج تک آوازوں کا بے ہنگم مجموعہ معلوم ہوتی تھیں، نہایت سیدھے سادے اور بندھے ٹکے اصولوں کی پابند نظر آتی ہیں۔ نئے تجربات کی روشنی میں غیر ملکی زبانیں پڑھانے سے متعلق بہت سی دشواریاں رفع ہو گئی ہیں اور یہ کام سائنسی بنیادوں پر نسبتہً آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے یہ مطلب نہ لینا چاہیے کہ لسانیات نے جادو کی چھڑی عطا کر دی ہے جس سے پلک جھپکتے ہی مراد بر آئے نئی زبان سیکھنا بڑا ہی صبر طلب اور دشوار گزار مرحلہ ہے۔ مادری زبان کا خول توڑ

کر نئی دنیا میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ پرانی لسانی عادتوں کو یکسر دبا کر نئی عادتوں کی بنیاد ڈالنی پڑتی ہے جس کے لیے گہری لگن، بھرپور محنت اور مسلسل مشق شرط ہے۔ البتہ لسانیات کی مدد سے راہ کے کانٹے نکالے جا سکتے ہیں اور طالب علم اپنے سفر کی ہر منزل پورے یقین اور وثوق سے طے کر سکتا ہے۔

اگر تعلیمِ زبان کی بنیاد لسانیاتی تجزیے پر نہ رکھی جائے تو زبان کی کئی خصوصیات طالب علم کے لیے معمہ بنی رہیں گی اور زبان کے کئی گوشے تاریکی میں رہیں گے۔ ایسے طالب علم کو زبان سیکھنے کے لیے نہ صرف زیادہ وقت صرف کرنا پڑے گا بلکہ نئی زبان سے متعلق اس کا علم سطحی اور محدود نوعیت کا ہوگا۔ وہ دیر سویر بولنا تو سیکھ جائے گا لیکن اس کے تلفظ اور جملوں کی ساخت میں کوشش اور تصنع کو دخل ہوگا اور اہلِ زبان کی سی بے تکلفی اس سے کوسوں دور رہے گی۔

پچھلے بیس پچیس برسوں میں لسانیات نے ترقی کی جو منزلیں طے کی ہیں اور آوازوں کی ظاہری پیچیدگی اور پریشان کن کثرت کو جس طرح گنتی کی چند منظم اور مرتب صوتیاتی اکائیوں میں تقسیم کیا ہے، اس کے پیشِ نظر کسی بھی نئی زبان کے صوتیاتی نظام پر قدرت حاصل کرنا ناممکن نہیں رہا۔ لسانیات میں تربیت یافتہ استاد نئی زبان پڑھاتے ہوئے تعلیمِ زبان کے روایتی طریقوں کو خیرباد کہہ دیتا ہے اور زبان کی اصوات کو ان کی ساخت، ان کی ادائیگی اور ان کی امتیازی معنویت کے اعتبار سے سائنٹفک طور پر پیش کرتا ہے اور اس بات کا پورا خیال رکھتا ہے کہ ابتدائی منزل میں کوئی بھی چول ڈھیلی نہ رہے۔

اس کے باوجود کہ لسانیات کے میدان میں تقریباً ڈیڑھ سو برس سے تیزی سے ترقی ہو رہی ہے اور لسانیات نے تعلیمِ زبان کے نہایت موثر طریقے پیش کیے ہیں ہمارے اسکولوں یا کالجوں میں غیر ملکی زبانیں پڑھاتے ہوئے ان سے زیادہ

اثر نہیں لیا گیا۔ جدید لسانیات کے باوا آدم (LEONARD BLOOMFIELD) نے ۱۹۲۵ء میں امریکہ کی لنگوسٹک سوسائٹی کا افتتاح کرتے ہوئے جو بات پینتیس[۳۵] برس پہلے کہی تھی، وہ ہندوستان پر آج بھی صادق آتی ہے:

"Our schools are conducted by persons who, from professors of education down to teachers in the classroom, know nothing of the results of linguistic science, not even the relation of writing to speech or of standard language to dialect. In short, they do not know what language is, and yet must teach it, and in consequence waste years of every child's life and reach a poor result."

اس میں شبہہ نہیں کہ ہم ابھی تک بسم اللہ کے گنبد میں بند ہیں اور پرانی لکیر پیٹتے جا رہے ہیں۔ ہم زبان پڑھاتے ہوئے دوسری باتوں کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں لیکن یہ ضرور بھول جاتے ہیں کہ ہم زبان پڑھا رہے ہیں اور ذخیرۂ الفاظ اور ترجمے ہی میں سب سے زیادہ سر کھپاتے ہیں۔ ہمارے استاد صوتیات اور نظریۂ فونیم سے نابلد ہیں۔ اُن کا گرامر کا علم اس معیار کا ہے جو انھوں نے مڈل جماعتوں میں حاصل کیا تھا اور جسے بقول "ہاکٹ" "یونانی فلسفے کے فرسودہ انداز پر ترتیب دیا گیا ہے"۔

زیرِ نظر مقالے کا مقصد یہی ہے کہ جدید لسانیات نے تعلیمِ زبان کا جو نیا نقطۂ نظر پیش کیا ہے، اُردو کے تعلق سے اس کی بعض بنیادی باتوں کی وضاحت کر دی جائے۔

صوتیات
PHONETICS

نئی زبان سیکھتے ہوئے سب سے پہلے آوازوں کے مسئلے سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس سے پیشتر کہ طالب علم الفاظ کے معنی یاد کرے یا گرامر سیکھے، یہ ضروری ہے کہ وہ اہلِ زبان کی بات چیت میں امتیازی آوازوں کو پہچان سکے اور خود بھی انھیں صحیح لہجے میں ادا کر سکے۔ گلیسن کا بیان ہے کہ کسی بھی زبان میں اس کی گرامر کے ۵۰ فی صدی اور ذخیرۂ الفاظ کے ۱۰ فی صدی علم سے کام چلایا جا سکتا ہے لیکن اگر اصوات کا سو فی صدی علم نہ ہو تو ایک جملہ بھی صحیح نہیں بولا جا سکتا۔

صوتیات ہی دراصل وہ مرحلہ ہے، جہاں نئی زبان کے بالغ طالب علم کو سب سے زیادہ دقّت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بچّے نئی زبانیں نسبتہً آسانی اور تیزی سے اسی لیے سیکھ جاتے ہیں کہ مادری زبان میں ان کی صوتی عادتیں راسخ نہیں ہو چکی ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس سنِ بلوغ میں ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں مادری زبان کا صوتیاتی نقشہ ذہن میں ہمیشہ کے لیے قائم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد نئی صوتیاتی عادتیں ڈالنا آسان نہیں ہوتا اور اس کے لیے بڑی محنت اور طبیعت پر جبر کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ طالب علم صوتیات میں مہارت بہم پہنچائے۔ بلکہ صوتیات کے پس منظر سے اس قدر واقفیت پیدا کر لینا کافی ہوگا کہ نئی زبان کی آوازوں کے مخرج کیا ہیں اور انھیں اہلِ زبان کی طرح کیوں کر ادا کیا جا سکتا ہے۔ بات صرف نئی حرکاتِ صوت کو ذہن نشین کر کے

منہ کے ٹھوں کو نئی عادت پر ڈالنے کی ہے۔ لیکن اگر طالب علم صوتیات سے بیگانہ محض ہے تو لسانیات میں تربیت یافتہ اُستاد اس سلسلے میں صحیح رہنمائی کر سکتا ہے اور نہایت قلیل وقفے میں طالب علم کو صوتیات کے عمومی پس منظر سے روشناس کرا سکتا ہے۔

"بنیادی طور پر انسان کے اعضاے صوت کو کسی بھی ایسے ساز مثلاً بانسری یا شہنائی سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس میں ہوا کے دباؤ کو روکنے، کم کرنے یا بڑھانے سے آواز پیدا ہوتی ہو۔ انسان بولتے وقت ہوا پھیپھڑوں سے حاصل کرتا ہے اور اس کا دباؤ شکمی پردے کے باقاعدہ عمل سے برقرار رہتا ہے۔ ہوا پھیپھڑوں سے اوپر کی طرف اُٹھ کر حلق سے گزرتی ہوئی منہ یا ناک یا دونوں سے باہر نکل جاتی ہے۔ ہوا کے اس سفر کے دوران میں اس کے بہاؤ کو مختلف اعضا کی مدد سے یا تو بالکل روک دیا جاتا ہے یا اس کے زور کو گھٹایا یا بڑھایا جاتا ہے یا اس کی گزرگاہ کو چھوٹا بڑا کیا جاتا ہے۔ پھیپھڑوں سے نکل کر ہونٹوں اور نتھنوں تک آنے والی ہوا پر زبان، گلے، تالو وغیرہ کی ان مختلف حرکات کا جو اثر ہوتا ہے اسی کے نتیجے کے طور پر وہ تمام آوازیں پیدا ہوتی ہیں جو کسی بھی زبان میں کام آتی ہیں۔"

آوازوں کی نوعیت کے اعتبار سے ان کی پانچ خاص قسمیں ہیں:

۱۔ ہوا کے راستے کو مکمل طور سے بند کر کے اس کے دباؤ کو منہ یا گلے میں کسی بھی مقام پر روک دینے سے جو آوازیں پیدا ہوتی ہیں، انھیں بندشی STOPS کہتے ہیں۔ مثلاً پ ب، ت د، ٹ ڈ، ک گ (پل بل، تِل دِل، ٹال ڈال، کال گال)

۲۔ ہوا کے راستے میں کسی بھی مقام پر انقباض پیدا کر کے درز یا پتلے شگاف

کا سا چھوٹا سا راستہ باقی رہنے دیا جائے تاکہ ہوا کو اس میں سے نکلتے ہوئے نسبتہً زیادہ زور لگانا پڑے۔ ایسی آوازوں کو صفیری SPIRANTS کہتے ہیں مثلاً ف و، س ز، ش ژ، خ غ، ہ (فہم، وہم؛ سر، زر؛ ہر، شور، مژہ؛ خول، غول)

۳۔ منہ میں ہوا کے گزرنے کے درمیانی راستے میں اٹکاؤ پیدا کر دیا جائے لیکن زبان کے ایک طرف یا دونوں طرف تھوڑا سا راستہ کھلا رہے۔ اس طرح پیدا ہونے والی آوازوں کو پہلوئی LATERALS کہتے ہیں۔ مثلاً ل (کال لال)۔

۴۔ ہوا کے گزرنے سے اگر منہ کا کوئی اندرونی لچک دار حصہ مرتعش ہو اٹھے تو ارتعاشی TRILL آواز پیدا ہوتی ہے۔ ارتعاش کی یہ کیفیت اگر نہایت مختصر ہے اور ہوا کے گزرنے سے صرف ایک ہی تھپک پیدا ہو تو اسے تھپک دار FLAP آواز کہتے ہیں مثلاً ر ڑ (بار، باڑ؛ گر، گڑ)

مندرجہ بالا بندشی، صفیری، پہلوئی اور تھپک دار آوازیں سب مل کر مصمتے CONSONANTS کہلاتی ہیں۔

۵۔ آخری قسم کی آوازیں وہ ہیں جنھیں پیدا کرنے کے لیے ہوا کے گزرنے کا راستہ نسبتہً کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن زبان اور ہونٹوں کی مختلف حرکات سے منہ کے اندرونی حصے کی شکل میں تغیر و تبدل کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے پیدا ہونے والی آوازوں کو مصوتے VOWELS کہا جاتا ہے۔

اس تقسیم سے ظاہر ہے کہ مصوتے ان آوازوں کو کہتے ہیں جن کے پیدا کرنے کے لیے منہ کا اندرونی حصہ نسبتہً کھلا رہتا ہے۔ اس میں ہوا کے راستے کو نہ تو بند کیا جاتا ہے، نہ اسے تنگ کیا جاتا ہے، نہ درمیانی راستے کو روک کر ہوا کو پہلو کی طرف موڑا جاتا ہے اور نہ کسی خاص حصے کو مرتعش کیا جاتا ہے۔ اس

کے برعکس مصمتے ایسی آوازوں کو کہتے ہیں جنھیں پیدا کرنے کے لیے ہوا کو حلق یا منہ میں کسی مقام پر بالکل بند کر دیا جائے یا اسے تنگ شگاف میں سے گزرنے پر مجبور کیا جائے یا درمیانی راہ سے ہٹا کر پہلو کی طرف موڑا جائے اور یا منہ کے کسی حصے کو مرتعش کیا جائے۔

مصوتے مصوتوں کی درجہ بندی مندرجہ ذیل تین خصائص کی بنا پر کی جاتی ہے۔

(۱) زبان کا وہ حصہ جو مخرج کی طرف اٹھے۔

(۲) زبان کی اونچائی

(۳) ہونٹوں کی حالت

مصوتے پیدا کرنے کے لیے زبان تین طرح سے کام کرتی ہے۔ اس کی نوک تالو کے سخت حصے کی طرف، یا اس کا درمیانی حصہ تالو کی طرف یا اس کی جڑ تالو کے نرم یعنی پچھلے حصے کی طرف اوپر کو اٹھائی جاتی ہے جن مصوتوں میں زبان کی نوک استعمال کی جائے انھیں اگلے FRONT، جن میں زبان کا درمیانی حصہ کام میں لایا جائے انھیں مرکزی CENTRAL اور جن میں زبان کا پچھلا حصہ استعمال کیا جائے انھیں پچھلے BACK مصوتے کہتے ہیں۔

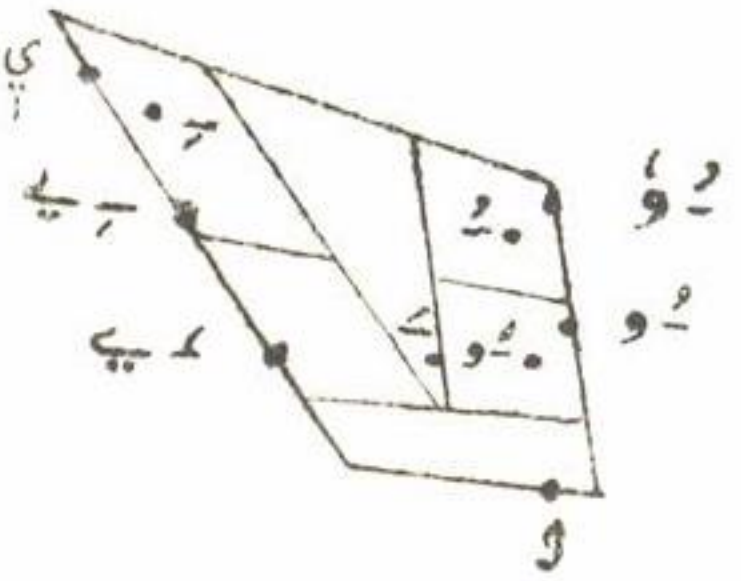

مصوتوں کی تشریح کے لیے اوپر کی چوگوشہ شکل تصوراتی طور پر منہ کے اندرونی

حصے کو ظاہر کرتی ہے نیچے کی لکیر زبان اور اوپر کی لکیر تالو کی حالت میں ہے۔ اس کا مغربی پہلو زبان کی نوک اور تالو کے سخت حصے کے درمیانی فاصلے کو اور مشرقی پہلو زبان کے پچھلے حصے اور تالو کے نرم حصے کے درمیانی فاصلے کو ظاہر کرتا ہے۔

اگلے FRONT مصوتوں میں زبان کا شروع کا حصہ تالو کے سخت حصے کی طرف مختلف درجوں میں اوپر اٹھایا جاتا ہے لیکن یہ تالو سے لگنے نہیں پاتا۔ اگر زبان تالو سے لگ جائے تو ہوا کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی اور اس حالت میں جو آواز پیدا ہوگی وہ مصمتہ ہوگی نہ کہ مصوتہ۔ مصوتے پیدا کرنے میں زبان تالو کی طرف ذرا سا اٹھتی تو ہے لیکن اس سے لگتی نہیں۔ اگر زبان کو تالو کی طرف ذرا سا اٹھایا جائے تو جو آواز پیدا ہوگی اُسے LOW FRONT مصوتہ کہیں گے۔ اگر زبان کُل درمیانی فاصلے کے نصف تک اُٹھائی جائے تو اس طرح پیدا ہونے والی آواز کو MID FRONT مصوتہ کہتے ہیں اور اگر زبان زیادہ سے زیادہ اونچی تالو کے قریب تک اٹھا دی جائے تو ایسی آواز کو HIGH FRONT مصوتہ کہیں گے۔ جیسا کہ صفحہ ۱۹ کے نقشے میں دکھایا گیا ہے، اس قسم کے اگلے مصوتوں کے ماہرینِ لسانیات نے سات درجے مقرر کیے ہیں: ان میں سے اُردو میں چار ملتے ہیں یعنی ی (i) ـِ (I) ـے (e) اور ـَے (æ) (دین، دِن، سیر، سَیر) انھیں پیدا کرنے کے لیے زبان کو تالو کی طرف جس بلندی تک اٹھایا جاتا ہے، اسے چوگوشہ شکل میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ زبان کے اس مقام کا تعین ایکس رے فوٹو اور دوسرے سائنسی ذرائع سے کیا جاتا ہے۔

اسی اصول کی بِنا پر زبان کے پچھلے BACK مصوتوں کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔ اُردو الفاظ کھال، کھولا، کُھلا، پُھل، بھُول میں دوسری

آواز بالترتیب ا (a) ے و (o) ۔ و (O) ـُ (U) اور ـُو (u) پچھلے مصوتے ہی ہیں جن کے مخارج کی جو گوشہ شکل میں نشان دہی کردی گئی ہے۔

اردو کے آخری چار پچھلے مصوتے چوں کہ ہونٹوں کو گول کرکے ادا کیے جاتے ہیں اس لیے انھیں مدوّر پچھلے مصوتے BACK ROUNDED VOWELS کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اگلے مصوّتے چوں کہ ہونٹوں کو گول کیے بغیر ادا کیے جاتے ہیں، انھیں غیر مُدوّر اگلے مصوتے FRONT UNROUNDED VOWELS کہا جاتا ہے۔

مرکزی مصوتے CENTRAL VOWELS نسبتہً کم استعمال ہوتے ہیں، اردو الفاظ بھَل، کَل، پَل، جَل، بَل میں حرکت کی جو آواز ہے وہ زبان کے درمیانی حصے کو تالو کے قُبہ کی طرف ذرا سا اٹھا دینے سے پیدا ہوتی ہے۔ بین الاقوامی صوتیاتی رسمِ خط میں اسے (ə) سے اور اُردو میں زبر سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

درجہ بندی کے انھیں اصولوں کی بنا پر TRAGER اور BLOCH نے مصوتوں کو ۲۴ قسموں میں تقسیم کیا ہے جو سامنے کی شکل کے خانوں سے ظاہر ہیں۔ یہ تقسیم محض خیالی نہیں، بلکہ ہر زبان کے مصوتے مختلف ہوتے ہیں اور یہ تقسیم دنیا کی تقریباً تمام اہم زبانوں کے مصوتوں کو نظر میں رکھ کر کی گئی ہے یہاں اس نقشے میں صرف وہی دس مصوتے ظاہر کیے گئے ہیں جو اُردو میں فونیم کا درجہ رکھتے ہیں۔

نیم مصوتے

ہم جب بھی کوئی آواز پیدا کرتے ہیں تو پھیپھڑوں کی آواز گلے میں

VOCAL CORDS سے گزر کر آتی ہے۔ یہ نرخرے کے اوپری سرے پر آپس میں جڑے ہوئے دو نہایت لچکدار پٹھے ہیں۔ چوں کہ ان کی شکل ہونٹوں سے ملتی جلتی ہے، اردو میں ان کے لیے "صوتی لب" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ ان کے درمیانی فاصلے کو GLOTTIS یعنی حلق کہا جاتا ہے۔ اگر ہوا کے راستے کو یہاں بند کر دیا جائے تو بندشی حلقی آواز (عربی ہمزہ) پیدا ہوتی ہے۔ لیکن عام آوازیں پیدا کرتے ہوئے گلوٹس نہ تو پوری طرح بند ہوتا ہے اور نہ کھلا۔ آواز ادا کرتے ہوئے اگر صوتی لبوں میں کھنچاؤ پیدا کر دیا جائے تو ہوا ان میں سے گزرتے ہوئے ان کے لچک دار سروں کو مرتعش کر دیتی ہے اور اس حالت میں نکلنے والی آوازیں زنائے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسے انگریزی میں VOICE کہتے ہیں۔ اردو میں ایسی آوازوں

مُصوتے

پچھلے		مرکزی		اگلے	
مدوّر	غیر مدوّر	مدوّر	غیر مدوّر	مدوّر	غیر مدوّر
اُو u	-	-	-	-	ی i
ـُ U	-	-	-	-	ـِ I
ـو o	-	-	-	-	ـے e
-	-	-	ـَ ə	-	-
ـَو ɔ	-	-	-	-	-
-	-	-	-	-	ـَے æ
-	ا ɑ	-	-	-	-

کو مسموع کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو آوازیں اس خصوصیت سے محروم ہوں یعنی جنھیں پیدا کرتے ہوئے صوتی لبوں میں کھنچاؤ پیدا نہ کیا جائے انھیں غیر مسموع VOICELESS کہا جاتا ہے۔ سوائے حلقی بندشی آواز کے جو صوتی لبوں کو بالکل بند کر دینے سے پیدا ہوتی ہے، باقی جتنی بھی آوازیں ہیں وہ یا تو مسموع ہوں گی یا غیر مسموع۔ ہر مخرج سے مسموع اور غیر مسموع دونوں قسم کی آوازیں پیدا کی جا سکتی ہیں، مثلاً پ، ب، دولبی بندشی آوازیں ہیں یعنی ان کا مخرج ہونٹ ہیں اور یہ ہونٹوں کے پیچھے ہوا کو بند کر دینے سے پیدا ہوتی ہیں لیکن پ غیر مسموع ہے اور ب مسموع۔ اسی طرح س، ز دونوں مسوڑھوں کے پیچھے سے پیدا ہونے والی صفیری آوازیں ہیں، دونوں کا مخرج ایک ہی ہے لیکن پہلی غیر مسموع اور دوسری مسموع ہے یعنی س کو پیدا کرتے ہوئے حلق کے اندر صوتی لبوں میں کھنچاؤ نہیں ہے لیکن ز کہتے ہوئے صوتی لبوں میں کھنچاؤ پیدا کر دیا جاتا ہے۔ مسموع اور غیر مسموع آوازوں کا فرق پہچاننے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر انھیں بند کر لیجیے اور "زاری" کی ز اور "ساری" کی س کو ذرا لمبا کر کے بولیے، ز کہتے ہوئے ایک زناٹے کی سی آواز سنائی دے گی یہ صوتی لبوں میں کھنچاؤ کے باعث پیدا ہونے والے ارتعاش کی آواز ہے لیکن س کہتے ہوئے آواز کی یہ کیفیت محسوس نہیں ہوگی۔

یہاں یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے کہ سوائے ہمزہ کے تمام دوسرے مصمتے جیسا کہ اوپر بتایا گیا، یا تو مسموع ہوتے ہیں یا غیر مسموع۔ لیکن تمام مصوتے ہمیشہ مسموع ہوتے ہیں۔

گو مصوتے اپنی ماہیت کے اعتبار سے مسموع آوازیں ہیں لیکن اگر

کسی لفظ میں دو مصوتے جڑواں طور پر آجائیں تو اکثر و بیشتر ان میں سے ایک مسموع ہوگا اور دوسرا غیر مسموع۔ ایسے غیر مسموع مصوتوں کو نیم مصوتے SEMI — VOWELS کہا جاتا ہے۔ اُردو میں دو نیم مصوتے استعمال ہوتے ہیں، ی (Y) اور و (V)

مُصمتے

مصمتوں کی چار قسمیں اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔ یہ سب آوازیں مخلوط انفی یا غیر انفی بھی ہو سکتی ہیں یعنی انھیں ادا کرتے ہوئے ہوا کو ناک سے بھی نکالا جا سکتا ہے لیکن اگر نرخرے سے اوپر ہوا کا راستہ منہ کی طرف بالکل بند کر دیا جائے تو ساری ہوا ناک سے خارج ہوتی ہے اور اس حالت میں خالص انفی NASAL آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ اُردو کی انفی آوازیں م اور ن ہیں۔ غرض اُردو مصمتوں کی کل پانچ قسمیں ہوئیں: بندشی، صفیری، پہلوی، تھپک دار اور انفی۔ یہ اقسام ہوا کے راستے میں دخل اندازی کی نوعیت پر مبنی ہیں؛ لیکن منہ کے اندرونی حصے میں یہ دخل اندازی جس مقام پر کی جاتی ہے، اس کے اعتبار سے مصمتوں کو مزید

مُصمتے

	لبی	نوکیلی	تالوی	غشائی	حلقی
بندشی سادہ	پ ب	ت د ٹ ڈ	چ ج	ک گ	ق -
ہکار	پھ بھ	تھ دھ ٹھ ڈھ	چھ جھ	کھ گھ	- -
انفی (ناک کی)	م	ن	-	-	-
صفیری	ف	س ز	ش ژ	خ غ	ہ
پہلوی	-	ل	-	-	-
تھپک دار	-	ر ڑ	-	-	-

پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ہونٹوں سے پیدا ہونے والی آوازوں کو لبی LABIAL زبان کی نوک کی مدد سے پیدا ہونیوالی آوازوں کو نوکیلی APICAL تالو سے نکلنے والی آوازوں کو تالوئی PALATAL تالو کے پچھلے حصے کی آوازوں کو غشائی VELAR اور حلق سے نکلنے والی آوازوں کو حلقی GLOTTAL کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا دو اصولوں یعنی ہوا کے راستے میں دخل اندازی کی نوعیت اور دخل اندازی کے مقام کی بنا پر دنیا بھر کی زبانوں کے مصمتوں کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے۔ پچھلے صفحے کے نقشے میں صرف اردو آوازوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ پانچ افقی قطاریں ہوا کے راستے میں دخل اندازی کی نوعیت کی بنا پر قائم کی گئی ہیں اور پانچ عمودی کالم دخل اندازی کے مقام یعنی آوازوں کے مخارج کو ظاہر کرتے ہیں۔ جن خانوں میں دو دو آوازیں دکھائی گئی ہیں، ان میں پہلی آواز غیر مسموع اور دوسری مسموع ہے۔

بندشی آوازوں کی دو قسمیں ہیں، سادہ اور ہکار۔ وہ بندشی آوازیں جنھیں ادا کرتے ہوئے ہ کی کیفیت بھی شامل کر دی جائے، ہکار بندشی آوازیں STOPS ASPIRATE کہلاتی ہیں۔ بھ پھ وغیرہ دس آوازیں جو نقشے میں دکھائی گئی ہیں، مفرد ہکار آوازیں ہیں، مرکب نہیں۔ اسی طرح نوکیلی آوازوں کی بھی دو قسمیں ہیں، سادہ اور معکوسی۔ ت د وغیرہ سادہ آوازیں ہیں اور ٹ ڈ ٹھ ڈھ اور ڑ معکوسی آوازیں ہیں کیوں کہ انھیں ادا کرتے ہوئے زبان کی نوک الٹی ہو کر تالو کے اگلے حصے سے لگتی ہے۔ ق کو حلقی آوازوں میں رکھا گیا ہے گو اس کا مخرج حلق سے ذرا اوپر لہات UVULA ہے اور اس لحاظ سے اسے "لہاتی آواز" کہا جاتا ہے۔

نوکیلی آوازیں زبان کی نوک کو اوپر کی طرف اٹھانے سے پیدا ہوتی ہیں زبان کی نوک چوں کہ نہ صرف اوپری دانتوں بلکہ مسوڑھوں کی طرف بھی اُٹھائی جاتی ہے، اس لیے نوکیلی آوازوں کو مزید دو قسموں یعنی دنتی (DENTAL) اور بالا دنتی (ALVEOLAR) میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ت، د دنتی آوازیں ہیں اور ن، س، ز، ل اور ر بالا دنتی آوازیں ہیں۔

چ، ج وغیرہ خالص بندشی آوازیں نہیں۔ انھیں ادا کرتے ہوئے زبان کو تالو سے لگانے کے فوراً بعد آہستہ آہستہ نیچے کی طرف ہٹایا جاتا ہے، جس سے بندشی آواز کی نوعیت کچھ کچھ صفیری ہو جاتی ہے۔ گویا چ، ج بندشی اور صفیری آوازوں کے بین بین ہیں، اسی لیے انگریزی میں انھیں ایفریکیٹ (AFFRICATE) کہا جاتا ہے۔

یہ صوتیات (PHONETICS) کا سرسری سا جائزہ ہے۔ اس کی مدد سے مختلف آوازوں کے مخارج کو سمجھنے اور ان کی ماہیت کو واضح کرنے میں مدد لی جاسکتی ہے، اور پھر اس وضاحت کی روشنی میں ان آوازوں کو صحیح طور پر ادا بھی کیا جاسکتا ہے۔ نئی زبان کے طالب علم کے لیے ضروری نہیں کہ وہ علم اصوات میں مہارت بہم پہنچائے۔ البتہ اگر استاد صوتیات کے پس منظر سے واقفیت رکھتا ہے تو وہ آوازوں کے مخارج اور ان کی نوعیت سے متعلق تمام ضروری نکتے طالب علم کے ذہن نشین کرا دے گا۔

صوتیاتی تجزیہ (PHONEMICS)

صوتیات کے اس جائزے سے ظاہر ہے کہ انسان کے اعضائے صوت سینکڑوں قسم کی آوازیں پیدا کر سکتے ہیں لیکن کوئی بھی زبان ان سب آوازوں کو استعمال نہیں کرتی۔ ہر زبان اپنے

اپنے مزاج کے مطابق ان میں سے چند آوازوں کو لے لیتی ہے۔ پھر بھی نئی زبان کا طالب علم شروع شروع میں جس چیز سے زیادہ گھبراتا ہے، وہ آوازوں کی کثرت ہی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ انسانی آواز میں زبردست تنوع پایا جاتا ہے اور کوئی ایک آواز دوسری آواز سے سو فی صدی مطابقت نہیں رکھتی۔ مثال کے طور پر سنت اور سنگ میں [ن] کی آواز مختلف سنائی دیتی ہے۔ کسی زبان کا صوتیاتی تجزیہ کرنے میں سب سے بڑی دقت یہی پیش آتی ہے کہ اس قسم کے نون کو دو آوازیں قرار دیا جائے یا ایک۔ لسانیات کے ماہرین نے اس کا یہ حل نکالا ہے کہ جہاں باہمی صوتی فرق معنی کی تفریق میں مدد دے۔ وہاں آوازوں کو الگ الگ فونیم PHONEME یعنی بنیادی آواز تسلیم کیا جائے؛ اور اگر صوتی فرق سے معنی تبدیل نہ ہوتے ہوں تو ان آوازوں کو ایک ہی فونیم کی ذیلی اصوات (ALLOPHONES) قرار دے دیا جائے۔

زبان میں آواز کا بنیادی مصرف یہ ہے کہ وہ ایک معنی کو دوسرے سے ممیز کرنے میں مدد دے۔ لیکن کوئی بھی زبان اپنی تمام آوازوں سے یہ خدمت نہیں لیتی۔ چنانچہ صرف وہی آوازیں جو معنوی طور سے ممتاز ہوں، "فونیم" کہلاتی ہیں۔ مثال کے طور پر چال اور جال میں الف اور ل مشترک ہیں، لیکن پہلی آواز ایک لفظ چ ہے اور دوسرے میں ج۔ مخرج کے اعتبار سے چ اور ج دونوں تالوئی آوازیں ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ ایک مہموس ہے اور دوسری غیر مہموس۔ لیکن یہ صوتی فرق چوں کہ معنی کی تفریق میں مدد دیتا ہے، اس لیے چ اور ج کو دو مختلف اور متضاد بنیادی آوازیں یعنی فونیم تسلیم کیا جائے گا۔ یہی بات پر اور پار میں دیکھی جا سکتی ہے۔

پہلے لفظ میں مصوتہ زبر (ə) ہے اور دوسرے میں الف (a:)
لیکن مصوتوں کے اس فرق سے معنی بدل گئے ہیں۔ اس لیے اُردو میں
زبر اور الف الگ الگ فونیم قرار پائے۔ اس کے برعکس اگر لفظ زحمت
میں [ز] کی آواز کو یا لفظ وحدت میں [و] کی آواز کو امالہ دار زبر
کے بجائے زبر سے پڑھیں تو معنی میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ پس اُردو میں
امالہ دار زبر اور زبر کی آوازیں آپس میں اس طرح متضاد نہیں جس طرح زبر
اور الف ہیں۔ چناں چہ زبر اور امالہ دار زبر کو الگ الگ فونیم تسلیم نہیں کیا
جائے گا بلکہ یہ دونوں ایک ہی فونیم یعنی زبر کی دو ذیلی اصوات ALLOPHONES
قرار پائیں گی۔

ذیلی اصوات زیادہ تر مخصوص صوتی ماحول میں استعمال ہوتی ہیں یعنی
یا تو کسی مخصوص صوت سے پہلے آئیں گی یا بعد میں؛ یا پھر لفظ کے شروع
میں آئیں گی، درمیان میں یا آخر میں۔ مثال کے طور پر اُردو میں امالہ دار
زبر صرف ہائے ہوز یا حائے حطی سے پہلے یا بعد میں آتا ہے؛ باقی تمام
آوازوں کے ساتھ زبر کی آواز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس کے
برعکس فونیم ایک ہی صوتی ماحول میں واقع ہو سکتے ہیں اور بنیادی بات یہ ہے
کہ وہ معنی کے فرق میں مدد دیتے ہیں۔ رہا اُردو کی ان آوازوں کا معاملہ
جن کے لیے ایک سے زیادہ علامتیں ہیں، مثلاً س، ث، ص یا ز، ذ،
ظ، ض؛ ان کے بارے میں اتنی بات خاطر نشان رہنی چاہیے کہ اُردو
میں ان سب علامتوں کی اپنی اپنی الگ آواز نہیں۔ اُردو بول چال میں
اگر لفظ ثابت کو سابت یا صابت بولا جائے تو معنی میں کوئی فرق نہیں پیدا
ہوتا؛ یا اگر لفظ ساز کو ساذ، ساظ یا ساض کہا جائے تو بھی معنی وہی

رہتے ہیں۔ پس اُردو میں ذ، ظ اور ض [ز] کی آواز کو اور ث اور ص [س] کی آواز کو ظاہر کرنے کے لیے مختلف علامتیں ہیں۔ یہ علامتیں چوں کہ صوتی اعتبار سے ایک ہیں اور آپس میں متضاد نہیں، اس لیے انھیں فونیم کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ علامتیں ہمارے رسم الخط کی بوالعجبیوں کے سوا کچھ نہیں، یعنی یہ محض علامتیں ہیں اور ان کی اپنی آواز نہیں۔

غرض فونیم زبان کی وہ بنیادی صوتیاتی اکائیاں ہیں جو معنی کا فرق قائم رکھنے میں مدد دیتی ہیں اور زبان کی تمام دوسری اصوات سے متضاد ہوتی ہیں۔ اس نظریے کی مدد سے کسی بھی زبان میں آوازوں کی پریشان کن کثرت کی درجہ بندی سائنسی صحت سے اس انداز پر کی جا سکتی ہے کہ نہ صرف آوازوں کا ظاہری انتشار گنتی کی چند منظم اکائیوں کی صورت اختیار کرلے، بلکہ مختلف اصوات کے باہمی رشتوں کا بھی پتہ چل جائے۔ زبان میں اصوات کی تعداد خواہ کچھ ہو، اس کی فونیم ہمیشہ مقرر اور محدود ہوں گی اور ان کی تعداد زبان کی کل اصوات کے مقابلے پر کم ہوگی۔

زبان کے جن دو مماثل الفاظ میں صرف ایک ایک آواز کے اختلاف کی وجہ سے معنی تبدیل ہو جائیں۔ انھیں لسانیات کی اصطلاح میں اقلی جوڑا MINIMAL PAIR کہتے ہیں۔ اوپر کی سطروں میں دو لفظ چال اور جال پیش کیے گئے تھے۔ یہ دراصل اقلی جوڑا ہی ہیں۔ زبان کے صوتیاتی تجزیے کی بنیاد الفاظ کے ان ہی اقلی جوڑوں پر رکھی جاتی ہے۔ جن آوازوں کے اقلی جوڑے فراہم ہو جائیں، انھیں زبان میں فونیم یعنی بنیادی آوازوں کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، فونیم اس بنیادی آواز

کو کہتے ہیں جس سے زبان میں معنی کا فرق قائم رکھنے میں مدد ملے۔ اقلی جوڑے میں چوں کہ دو مختلف آوازیں ایک جیسے صوتی ماحول میں واقع ہوتی ہیں، یعنی سوائے ایک آواز کے باقی سب آوازیں اور ان کی ترتیب ایک جیسی ہوتی ہے اور محض ایک آواز کی بدولت لفظ کے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس مخصوص آواز کو بنیادی آواز یعنی فونیم کا درجہ دیا جاتا ہے۔

مصمتی فونیم

سب سے پہلے اُردو کی مصمتی آوازوں کے مندرجہ ذیل مسلسل اور مفرد اقلی جوڑے ملاحظہ ہوں :

(۱)	پ	پال
(۲)	ب	بال
(۳)	ت	تال
(۴)	د	دال
(۵)	ٹ	ٹال
(۶)	ڈ	ڈال
(۷)	چ	چال
(۸)	ج	جال
(۹)	ک	کال
(۱۰)	گ	گال

	(۱۱)	ق	قال
II	(۱۲)	م	مال
	(۱۳)	ن (فاصل)	نال
	(۱۴)	ف	فال
	(۱۵)	س	سال
	(۱۶)	ز	زال
	(۱۷)	ش	شال
	(۱۸)	خ	خال
	(۱۹)	غ	غال[۵]
	(۲۰)	ہ	ہال
	(۲۱)	ل	لال
	(۲۲)	ر	رال
III	(۲۳)	ڑ	اجڑ
		ڈ	اجڈ
IV	(۲۴)	ن (واصل)	ڈنکا
		ن (فاصل)	منکا

---

۵ بمعنی گرانبار، بھاری، بوجھل

اوپر کے گوشوارے میں اُردو کی ۲۴ مصمتی بنیادی آوازوں کا معنوی امتیاز واضح کیا گیا ہے۔ ان جوڑوں سے ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا ۲۴ آوازوں میں سے ہر آواز معنی کے فرق میں مدد دیتی ہے، اس لیے فونیم کا درجہ رکھتی ہے۔ پہلی اور دوسری شق میں مسلسل اقلی جوڑے پیش کیے گئے ہیں جن میں ہر آواز باقی تمام آوازوں سے تضاد کی حالت میں ہے۔ ڑ چوں کہ کسی لفظ کے شروع میں نہیں آتا، اس لیے تیسری شق میں اس کا مفرد اقلی جوڑا ڈ کے ساتھ آخری حالت میں پیش کیا گیا ہے۔ چوتھی شق میں وصلی نون کا مماثل جوڑا (ANALOGOUS PAIR) فصلی نون سے پیش کر کے اس آواز کی آزادانہ حیثیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ نیچے اُردو کے ان ۲۴ مصمتی فونیم کے بعض خصائص کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی ذیلی آوازوں (ALLOPHENES) کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

ہ ، ح	اُردو میں ہ کی تین ذیلی اصوات قرار دی جاسکتی ہیں۔

۱۔ ہائے مخلوط کامل

۲۔ ہائے مخلوط جزوی

۳۔ ہائے ملفوظی

اُردو میں ہائے مخلوط کامل، بندشی اور ایفریکیٹ آوازوں میں ملتی ہے، یہ تعداد میں دس ہیں: پھ بھ تھ دھ ٹھ ڈھ چھ جھ اور کھ گھ۔ یہ خالص ہند آریائی اصوات ہیں اور بندشی آوازوں میں مکمل سٹ کی حیثیت سے صرف ہندوستانی زبانوں میں ملتی ہیں۔ ہندی کی طرح اُردو نے بھی انھیں تمام و کمال محفوظ رکھا ہے۔ ان کے باہمی تضاد کے لیے

مندرجہ ذیل اقلی جوڑے ملاحظہ ہوں :

پھ	پُھول
بھ	بُھول
تھ	تھم
دھ	دھم
ٹھ	ٹھور
ڈھ	ڈھور
چھ	چھل
جھ	جھل
کھ	کھول
گھ	گھول

اُردو رسم الخط میں ہکار آوازوں کو چوں کہ سادہ آوازوں کی علامت میں ہائے دوچشمی کے اضافے سے لکھا جاتا ہے : ب اور ھ /بھ/ ، د اور ھ / دھ/ ، اس لیے انھیں مرکب آوازیں سمجھنے کی غلط فہمی افسوس ناک حد تک عام ہے ، حالاں کہ یہ اعضائے صوت کی ایک ہی جنبش سے ادا ہوتی ہیں اور ان کی حیثیت مرکب آوازوں کی نہیں بلکہ مفرد آوازوں کی ہے ۔ دیوناگری رسم الخط میں ان کی مفرد حیثیت تسلیم کی گئی ہے اور

ان کے لیے الگ سے علامات مقرر ہیں۔ اُردو میں ایسا نہیں ہے۔

اُردو میں ہ کی آواز بعض حالتوں میں نرما دی جاتی ہے۔ وسطی یا آخری حالت میں ہ بعض اوقات مصوتے میں بدل جاتی ہے اور معنی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ مثلاً:

وسطی حالت میں۔

تمھیں	تمیں
انھیں	انیں
ننھا	ننّا
وہاں	واں
یہاں	یاں

آخری حالت میں

بہانہ	بہانا
جذبہ	جذبا
نشانہ	نشانا
زمانہ	زمانا

لیکن جہاں تک اُردو کی دس بندشی اور ایفریکیٹ ہکار آوازوں کا تعلق ہے، یہ مستقل آوازیں ہیں اور اگر انھیں بولتے ہوئے ہ کی کیفیت کو نرما دیا جائے یا ختم کر دیا جائے تو معنی میں فرق پیدا ہو جائے گا:

۱۔ پھٹ پٹ (پھ، پ)

۲۔ بھاری باری (بھ، ب)

۳۔ تھک تک (تھ ، ت)

۴۔ دھم دم (دھ ، د)

۵۔ ٹھاٹھ ٹاٹ (ٹھ ، ٹ)

۶۔ ڈھال ڈال (ڈھ ، ڈ)

۷۔ چھپ چپ (چھ ، چ)

۸۔ جھاڑا جاڑا (جھ ، ج)

۹۔ کھیل کیل (کھ ، ک)

۱۰۔ گھن گن (گھ ، گ)

غرض یہ دس ہکار آوازیں اُردو کی منفرد اور مستقل آوازیں ہیں اور معنی کو ممیز کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ چنانچہ ان سب کو فونیم تسلیم کیا جاسکتا ہے لیکن قباحت یہ ہے کہ اس سے اُردو فونیم کی تعداد بہت بڑھ جائے گی۔ اگر اسے سائنسی طور پر کم کیا جاسکے تو مستحسن ہے۔ اتنی بات واضح ہے کہ نوعیت کے اعتبار سے ان دس آوازوں میں ہکار کیفیت قدرِ مشترک کا درجہ رکھتی ہے۔ اس ہکار کیفیت کے بغیر یہ دس کی دس آوازیں سادہ بندشی اور ایفریکیٹ آوازیں ہیں، جنھیں ہم اس سے پہلے فونیم تسلیم کر چکے ہیں۔ ان آوازوں اور سادہ آوازوں میں معنی کا جو فرق لازم آتا ہے، وہ بھی محض اسی ہکار کیفیت کی بدولت ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ دس ہکار آوازوں کو الگ الگ فونیم تسلیم کرنے کے بجائے صرف ہکار کیفیت کو بنیادی اہمیت دی جائے لیکن دقّت یہ ہے کہ اس ہکار کیفیت کو بھی الگ فونیم نہیں مانا جاسکتا کیوں کہ یہ صرف اُس صوتی ماحول میں ملتی ہے، جہاں ہائے مخلوط جزوی یا ہائے ملفوظی نہیں آسکتیں۔ گویا تینوں آوازوں کے درمیان سمجھوتہ ہے کہ ایک کے

صوتی ماحول میں دوسری استعمال نہیں ہوگی۔ لسانیات میں اس صورتِ حال کو آوازوں کا تکمیلی بٹوارہ (COMPLEMENTARY DISTRIBUTION) کہتے ہیں یعنی آوازیں اس طرح استعمال ہوں کہ ایک کی جگہ پر دوسری نہ آسکے۔ ذیل میں ان تینوں اصوات کے صوتی ماحول کی نشان دہی کی جاتی ہے:

۱۔ ہائے مخلوط کامل۔ یہ بندشی اور ایفریکیٹ آوازوں کے ساتھ ضم کرکے بولی جاتی ہے اور دونوں آوازیں ایک ہی صوتی رکن کا جزو ہوتی ہیں مثلاً پھول، گبھیر، گانٹھ۔

۲۔ ہائے مخلوط جزوی۔ یہ ل، م، ن، ر، ڑ اور عوامی بول چال میں ی، و اور ز کے ساتھ ضم کرکے بولی جاتی ہے اور دونوں آوازیں ایک ہی صوتی رکن کا جزو ہوتی ہیں، مثلاً تمھارا، تمھیں، انھیں، بڑھ، پڑھ، یہاں، وہاں وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ ان الفاظ میں ہ کی آواز مصمتے کے فوراً بعد جڑواں حالت میں آتی ہے اور کسی حد تک پہلی آواز میں ضم ہوجاتی ہے لیکن اس حد تک نہیں جیسا کہ ہکار آوازوں پھ بھ وغیرہ میں ہوتا ہے وہاں انضمام کامل ہے اور یہاں جزوی۔

۳۔ ہائے ملفوظی۔ یہ بقیہ موقعوں پر آتی ہے اور اگر مندرجہ بالا آوازوں میں سے کسی کے بعد آئے تو یا اس رکن کا جزو نہیں ہوتی یا اس سے پہلے کوئی مصوتہ ہوتا ہے، مثلاً ہمت، محبت، گناہ۔ بہہ، کہہ، بہتر، چہار گہر، اظہر۔

اس سے ثابت ہوا کہ مندرجہ بالا تینوں اصوات ہ کی ذیلی اصوات ہیں۔

اُردو کے ابتدائی قاعدوں میں پھ بھ وغیرہ ہکار آوازوں کو سادہ آوازوں پ ہائے دوچشمی کے اضافے کی حیثیت سے سمجھایا اور

پڑھایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اُردو کا طالب علم ڈھال، کھال وغیرہ الفاظ کو چار آوازوں یعنی ڈ، ھ، ا اور ل یا ک، ھ، ا اور ل کا مجموعہ سمجھتا ہے، جو غلط ہے۔ ڈھال میں /ڈھ/ اور کھال میں /کھ/ دو آوازوں سے مرکب نہیں بلکہ /ڈھ/ اور /کھ/ مفرد آوازیں ہیں۔ اس سلسلے میں اُردو املا کی بے اصولی بھی کم دل چسپ نہیں۔ سادہ آوازوں کے بعد ہائے دوچشمی یا ہائے ہوز کے استعمال میں تخصیص نہیں کی جاتی یعنی ہائے مخلوط کامل اور ہائے ملفوظی میں کوئی تفریق روا نہیں رکھی جاتی اور اس طرح مبتدی کی گمراہی کا پورا سامان کر دیا جاتا ہے، مثلاً دہلی کو دھلی، دہل کو دھل، ہے کو ھے، ہمیشہ کو ھمیشہ اور ہمیں کو ھمیں لکھنے کا عام رواج ہے۔ اس میں کچھ معذوریاں نسخ ٹائپ کی بھی ہیں لیکن خط نستعلیق میں اس کا کیا جواز ہے؟ اس میں اگر ہائے دوچشمی لفظ کے شروع میں لکھی گئی یا کسی بندشی آواز کے بعد نہیں تو خیر، ورنہ اس بے اصولی کو اصول بناتے ہوئے اگر دہر کو دھر یا بھر کو بہر یا بھار کو بہار یا اس کے برعکس لکھا جائے تو مبتدی کو جس دقت کا سامنا ہوگا، وہ ظاہر ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ہائے دوچشمی کا استعمال ہائے مخلوط کامل اور ہائے مخلوط جزوی سے مخصوص کر دیا جائے۔

ک، ق ک کی آواز عربی فارسی اور ہند آریائی زبانوں میں مشترک ہے، جب کہ ق خالص عربی صوت ہے۔ اور سوائے اُردو کے کسی دوسری ہندستانی زبان میں استعمال نہیں ہوتی، چنانچہ اُردو میں بعض ماہرین لسانیات ق اور ک کو ایک فونیم تسلیم کرتے ہیں۔ در اصل مخرج کے اعتبار سے یہ دو مختلف اصوات ہیں۔ ک غشائی آواز ہے اور ق کوّا یا لہات سے ادا ہونے والی لہاتی آواز ہے۔

لیکن چوں کہ اُردو بولنے والوں کی ایک بڑی تعداد لہاتی ق کے تلفظ پر قادر نہیں اور اسے غشائی ک میں بدل دیتی ہے، اس لیے ق کو ک کی ذیلی صوت ماننے پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن ذیلی صوت تسلیم کرنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ آوازوں کے باہم تبادلے سے معنی متاثر نہ ہوں۔ ق اور ک کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اُردو میں الفاظ کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن میں اگر بجائے ق کے ک یا اس کے برعکس بولا جائے تو معنی تبدل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

قال	کال
قمر	کمر
قُلی	کُلی
قاری	کاری
قَے	کَے
قاش	کاش
قاصِد	کاسِد
قَد	کَد
قَرنا	کرنا
قصْر	کسْر
قَضا	کَذا
عَقل	اَکْل
حق	حک

ان مثالوں کے پیشِ نظر ق کو ک کی ذیلی صوت نہیں مانا جا سکتا بلکہ

اسے اُردو کی بنیادی آواز یعنی فونیم تسلیم کرنا پڑے گا۔

ت ، ط یہ دونوں صوتی اعتبار سے اُردو میں ایک آواز ہیں۔ عربی میں ط غشائی صوت ہے اور ت دندانی۔ اُردو کے جن مستعار الفاظ میں ط آتا ہے، ان کا تلفظ بھی چوں کہ دندانی طریقے پر ہوتا ہے، اس لیے اُردو میں ط کی اپنی کوئی صوتی حیثیت نہیں اور فقط ت ہی اُردو کی بنیادی آواز ہے۔ چنانچہ اوپر کے گوشوارے میں صرف ت کو شامل کیا گیا ہے، ط کو نہیں۔ ط نہ اُردو کی فونیم ہے نہ ذیلی صوت۔

م ، ن اُردو میں نون اپنے بعد آنے والے مصمتوں کے ساتھ ہم مخرج ہو سکتا ہے، اس لیے نون کی ایک نہیں، دو بنیادی آوازیں ہیں: وصلی نون اور فصلی نون، یعنی مکمل اعلان کا نون اور جزوی اعلان کا نون۔ وصلی نون (HOMORGANIC) مصوتے کے بعد اور مصمتے سے پہلے ہم مخرج طور پر ادا ہوتا ہے، مثلاً: کُنج، تُنُد، رَنج پَند، انڈا۔ پہلے دو الفاظ میں ن سے پہلے مصوتہ ضمہ ہے، تیسرے اور چوتھے میں زبر اور پانچویں میں الف ہے۔ ن تمام الفاظ میں ساکن ہے اور اس کا تلفظ اس کے بعد آنے والے مصمتے سے ملا کر ایک ہی مخرج سے کیا جاتا ہے۔ فصلی نون بھی ساکن حالت میں آسکتا ہے، لیکن وہ اپنے بعد آنے والے مصمتے سے مل کر ایک ہی مخرج سے ادا نہیں ہوتا، مثلاً مانتا، دنیا، کُنبہ، انوار، انکار۔ اُردو میں فصلی نون اور وصلی نون محض خاص خاص آوازوں سے پہلے آتے ہیں۔ وصلی نون صرف مندرجہ ذیل آوازوں سے فوراً پہلے آ کے ان سے ہم مخرج ہو سکتا ہے:

ت ، د ، تھ ، دھ

س ، ز ، ش
ٹ ، ڈ ، ٹھ ، ڈھ
چ ، ج ، چھ ، جھ
ک ، گ ، کھ ، گھ

فصلی نون یعنی مختلف المخرج نون مندرجہ ذیل آوازوں سے پہلے مکمل اعلان کی صورت میں آتا ہے:

۱۔ پ ، ب ، پھ ، بھ ،
ک ، گ ، کھ ، گھ
ق ، م ، ن ، ف ، د ، خ ، ہ ، ر ، ڑ ، ی ۔
۲۔ تمام مصوتوں سے قبل ۔
۳۔ لفظ کے آخر میں ۔

اس تقسیم سے بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ فصلی نون اور وصلی نون ایک دوسرے سے تکملی بٹوارے میں ہیں، یعنی دونوں میں سمجھوتا ہے اور جہاں ایک واقع ہوتا ہے، وہاں دوسرا نہیں آتا۔ اس لحاظ سے دونوں کو ایک فونیم کی دو ذیلی اصوات قرار دینا چاہیے، لیکن دراصل ایسا نہیں۔ اوپر کی تقسیم پر دوبارہ نظر ڈالنے سے واضح ہوگا کہ وصلی نون بھی غشائی آوازوں ک، گ، کھ، گھ سے پہلے آتا ہے اور فصلی نون بھی۔ مثال کے طور پر یہ مماثل جوڑے دیکھئے:

ڈنکا	پھنکی	گنگا	(وصلی نون)
منکا	سنکی	بھنگا[۵]	(فصلی نون)

---

۵ ملاحظہ ہو، نقوش ۹۴ (ص ۲۱) اور اُردو ادب ۱۹۶۱، شمارہ ۴ (ص ۵۹) ڈاکٹر گیان چند نے ن فصلی اور وصلی کو ایک فونیم اور ن وصلی غشائی (ن گ) کو دوسری فونیم مانا ہے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے (اگلے صفحے پر)

ڈنکا، پھنکی اور گنگا میں ہم مخرج یعنی وصلی نون ہے جس کا اعلان مکمل طور پر نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس منکا، سنکی اور بھنگا میں فصلی یعنی مکمل اعلان کا نون ہے۔ صوتی ماحول دونوں کا ایک ہے یعنی دونوں نون غشائی ک، گ سے پہلے واقع ہوئے ہیں۔ پس اس ایک بے اصولی سے تکملی ٹہوارے کا مفروضہ غلط ثابت ہوگیا، کیوں کہ ایک کی جگہ دوسری آواز واقع ہوسکتی ہے۔ صوتیاتی تجزیے میں جب دو آوازیں ایک ہی صوتی ماحول میں استعمال ہوسکتی ہوں تو وہ یقیناً ایک دوسرے کے متضاد ہوتی ہیں یعنی معنی کی تفریق میں مدد دیتی ہیں۔ جب ایسا ہو تو دونوں کو الگ الگ فونیم ماننا پڑے گا۔ چناں چہ اردو میں فصلی نون اور وصلی نون دونوں الگ الگ بنیادی آوازیں قرار پائیں۔

یہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے کہ فصلی نون کی خصوصیت مکمل اعلان ہے جو مصمتوں سے پہلے نیز صوتی رکن کے شروع یا آخر میں ہوتا ہے۔ فصلی نون کہیں بھی آئے، اس کے تلفظ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اس کی کوئی ذیلی صوت نہیں۔ اس کے برعکس وصلی نون، چوں کہ فوراً بعد کے مصمتے سے مل کر ایک ہی مخرج سے ادا ہوتا ہے، اس لیے مختلف مصمتوں کے زیر اثر اس میں خفیف تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ چناں چہ ان خفیف اختلافات کی بنا پر وصلی نون کو مندرجہ ذیل پانچ ذیلی اصوات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ دنتی: ت، د، تھ، دھ سے پہلے (مثلاً پنت، تند، سنتھال، سگندھ)

(صفحہ ۳۹ سے آگے) فقط ن اور ن وصلی کا ذکر کیا ہے جبکہ عبدالقادر سروری صاحب نے اپنے نقشے میں ن اور نّ (یعنی وصلی نون غشائی) کی نشان دہی کی ہے۔ ہمارا تجزیہ ان سب سے قدرے مختلف ہے اور ہم نے سائنسی سہولت کی خاطر ن فصلی اور ن وصلی کو الگ الگ فونیم تسلیم کیا ہے۔ تقسیم کا انداز مختلف ہوسکتا ہے۔ لیکن اتنی بات طے ہے کہ اردو میں ن کی دو بنیادی آوازیں ہیں۔ ایک نہیں۔

۲۔ بالا دنتی : س، ز، ش سے پہلے (مثلاً انس، طنز، انشا)
۳۔ معکوسی : ٹ، ڈ، ٹھ، ڈھ سے پہلے (مثلاً انٹی، گنڈا، کنٹھ، منڈھا)
۴۔ تالوئی : چ، ج، چھ، جھ سے پہلے (منچلا، کنج، پنچھی، منجھنا)
۵۔ غشائی : ک، گ، کھ، گھ سے پہلے (ڈنکا، گنگا، پنکھا، کنگھا)

ظاہر ہے کہ وصلی نون کی یہ پانچوں ذیلی اصوات آپس میں تکملی بٹوارے میں ہیں یعنی ایک کی جگہ پہ دوسری استعمال نہیں ہو سکتی۔

لبی آوازوں یعنی پ، ب، پھ، بھ سے پہلے وصلی نون نہیں آتا۔ البتہ ان سے وصل کی حالت میں م آسکتا ہے کیونکہ پ، ب وغیرہ بھی لبی آوازیں ہیں اور م بھی۔ ہمارے رسم الخط سے اکثر یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ لبی آواز ب سے پہلے وصلی نون استعمال ہو رہا ہے، مثلاً انبالہ، گنبد دنبالہ، انبساط، جنبش، تنبولی، منبع، چنبر۔ حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ ان الفاظ میں ب سے ن کا نہیں بلکہ م کا وصل ہوا ہے، اور ہم ان الفاظ کو م ہی سے بولتے ہیں، یعنی : امبالہ، گمبد، دمبالہ، امبساط جمبش، تمبولی، ممبع، چمبر۔

س، ص، ث

اُردو میں س، ص اور ث کا فرق بھی محض رسم الخط کی حد تک ہے۔ اُردو زبان کے صوتیاتی نظام میں ان کی تفریق کوئی معنی نہیں رکھتی۔ عربی میں یہ تینوں آوازیں مختلف المخارج ہیں، لیکن اُردو میں ہم مخرج ہیں۔ اُردو کے جن الفاظ میں ث، ص استعمال

ہوتے ہیں، ان کا تلفظ غیر مسموع صفیری آواز س کی حیثیت سے ہوتا ہے، چناں چہ اس بنا پر ص یا ث کو نہیں، بلکہ صرف س کو فونیم تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

ز، ذ، ض، ظ اور ژ

ماہرین لسانیات کا بیان ہے کہ مسموع صفیری آواز ز سنسکرت اور فارسی کی مشترکہ ماخذ ہند یورپی زبان میں مستعمل تھی، لیکن سنسکرت اور ہند ایرانی دونوں میں غیر مسموع صفیری آواز س ماقبل آوازوں سے متاثر ہو کر تبدیل ہو جاتی تھی۔ سنسکرت میں یہ تالوئی آوازوں کے بعد ش میں بدل جاتی تھی جب کہ ہند ایرانی میں مسموع آوازوں کے بعد یہ خود بھی مسموع ہو کر ز بن جاتی تھی۔ بعد میں اسی نے ایرانی میں ژ اور سنسکرت میں ج کا روپ اختیار کیا۔ چناں چہ ز اور ژ آوازیں ہند ایرانی کی جانشین فارسی میں تو ملتی ہیں، لیکن ہند آریائی کی جانشین سنسکرت، ہندی وغیرہ میں نہیں۔ البتہ اردو میں ز اور ژ مستعمل ہیں اور اردو نے انھیں فارسی سے لیا ہے۔

ژ کی آواز اپنی اصلی شکل میں اردو میں مستعمل فقط چند الفاظ میں ملتی ہے، مثلاً مژدہ، ژالہ، ژرف، پژمردہ، مژہ، مژگاں، ژولیدہ۔ اردو میں اکثر و بیشتر اسے ز سے بدل کے بولا جاتا ہے اور چوں کہ ایسا کرنے سے معنی کا فرق لازم نہیں آتا، ژ کو اردو کی فونیم یعنی بنیادی آواز تسلیم کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ژ اور ز کا معنوی امتیاز ثابت کرنے کے لیے اردو میں کوئی اقلی جوڑا نہیں ملتا۔ اس سلسلے میں زال اور ژالہ یا ژرف اور ظرف کی مثال دی جاتی ہے۔ لیکن ایک تو یہ صحیح

معنوں میں اقلی جوڑے نہیں، دوسرے اس قسم کے الفاظ بھی اُردو میں بہت کم استعمال ہوتے ہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ژ کو اُردو فونیم نہ قرار دیا جائے۔

ہمارے رسم الخط میں ز کی آواز کے لیے تین علامتیں اور بھی ہیں — ذ، ض، ظ۔ دراصل عربی میں ز، ذ، ض اور ظ مختلف اصوات ہیں اور مختلف مخارج سے ادا ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس اُردو میں ان کے مخارج اور لہجے کی تفریق باقی نہیں رہی۔ ہماری زبان میں یہ سب آوازیں صفیری ز میں بدل جاتی ہیں اور ایک ہی مخرج یعنی اوپری مسوڑھوں کے پیچھے سے ادا ہوتی ہیں۔ غرض اُردو میں ان کی تفریق صوتیاتی اعتبار سے کوئی معنی نہیں رکھتی کیوں کہ ان چاروں کے لیے صرف ایک صوت ز استعمال ہوتی ہے، جسے اُردو کی بنیادی آواز تسلیم کیا گیا ہے۔

مصوّتی فونیم

اُردو کی مصوّتی فونیم کی تعداد دس ہے۔ ذیل میں اقلی جوڑوں کا سلسلہ ملاحظہ ہو:

(۱)	َ	(زبر)	مَل
(۲)	ا	(الف)	مال
(۳)	ِ	(زیر)	مِل
(۴)	ی	(یاے معروف)	میل
(۵)	ُ	(پیش)	مُل
(۶)	اُو	(واؤ معروف)	مُول
(۷)	ـِـے	(یاے مجہول)	مِیل
(۸)	ـَـے	(یاے لین)	مَیل

(۹) ـُـو (واؤ مجہول) مُول

(۱۰) ـَـو (واؤ لین) مَول[۳]

اُردو کے دس بنیادی مصوتے بعینہٖ وہی ہیں جو ہندی میں مروج ہیں۔ ان کی دیوناگری علامتیں بالترتیب یوں ہیں :

अ आ इ ई उ ऊ ए ऐ ओ औ

اقلی جوڑوں کے مندرجہ بالا سلسلے سے ظاہر ہے کہ یہ دس کی دس آوازیں اُردو اور ہندی میں فونیم کا درجہ رکھتی ہیں۔ لیکن اُردو کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ان دس بنیادی مصوتوں کے علاوہ تین ذیلی مصوتے بھی ملتے ہیں[۴]۔ یعنی خفیف زبر، خفیف زیر اور خفیف پیش۔ اُردو میں یہ تینوں ذیلی مصوتے ہائے ہوز یا حائے حطّی سے پہلے یا بعد میں بولے جاتے ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ خفیف زبر:

کَہْنا۔ سَہْنا۔ وَحْدت۔ زَحْمت۔ اَحْمد۔ مَحْبوب۔ مَحْسوس۔ مَحْرُوم۔

---

۳ بمعنی کونپل (نیم کی مَول) فعل مَولنا (درخت مَول رہا ہے)

۴ ملاحظہ ہو: ڈاکٹر گرامم بیلی، اُردو اور ہندی کا تلفظ (اُردو ادب، دسمبر ۱۹۵۶ء) رشید حسن خاں، لغت اور استعمال عام (اُردو ادب، مارچ ۱۹۵۷ء) حیات اللہ انصاری، کشمیری زبان کے لیے ایک رسم الخط (اُردو ادب، دسمبر ۱۹۶۰ء) ڈاکٹر گیان چند جین، اُردو مصوتوں کی صحیح تعداد (نیا دور، ستمبر ۱۹۶۱ء) شان الحق حقّی، اُردو الفاظ کی رومن املا (اُردو نامہ شمارہ ۴) ڈاکٹر گیان چند نے اپنے ایک اور مضمون، اُردو کی بنیادی آوازیں" (اُردو ادب، شمارہ ۴، ۱۹۶۱ء) میں اُردو کے سولہ (۱۶) مصوتوں کی نشان دہی کی ہے۔ یہ تقسیم نازک ترین صوتی اختلافات پر مبنی ہے، مگر وہ خود بھی اس سے مطمئن نہیں۔ بعد میں انھوں نے طول کو صوتیہ قرار دے کر صرف سات مصوتوں کو فونیم کا درجہ دیا ہے۔ لیکن ہم نے یہاں بنیادی مصوتوں کی مسلمہ تقسیم یعنی دس ہی کو پیش نظر رکھا ہے۔

ان الفاظ میں دراصل پہلے حرف پر زبر ہے، لیکن یہاں زبر نہیں بولا جاتا بلکہ زبر کو خفیف زبر یعنی اَے کے انداز پر ادا کیا جاتا ہے۔

۲۔ خفیف زیر :

(ا) سِحر۔ مِحنت۔ یِہ

ان الفاظ میں پہلے حرف کے نیچے زیر ہے، لیکن یہاں زیر کا تلفظ خفیف زیر یعنی اِے سی ملتی جلتی آواز میں کیا جاتا ہے۔

(ب) بَحث۔ زَہر۔ لَہر۔ قَہر۔ شَہر۔ نَہر۔ صَحن۔

یہ الفاظ بھی دراصل شق اول کے الفاظ کی طرح بہ فتح اول اور بہ سکون حرف ثانی ہیں۔ لیکن اُن میں صرف زبر متاثر ہوئی تھی، جبکہ اِن الفاظ میں زبر کے خفیف زیر میں تبدیل ہونے کے علاوہ ہائے ہوز اور عائے حطی بھی حرکت کا اثر قبول کرتی ہیں اور ان کے فوراً بعد خفیف زیر یعنی اِے سے ملتی جلتی آواز سُنائی دیتی ہے۔

(ج) مَحَل۔ مَہَک۔ رَہن سَہن۔ پَہَن۔ بَہَن۔ ٹَہَل

یہ الفاظ بہ فتح اول اور بہ فتح دوم ہیں۔ ان میں پہلا زبر خفیف زبر میں اور دوسرا زبر خفیف زیر کی آواز میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

۳۔ خفیف پیش :

عُہدہ۔ بُہت۔ شُہرہ۔ کُہرام۔ تُحفہ۔ وُہ

ان الفاظ میں ہائے ہوز یا حائے حطی سے پہلے یا بعد میں پیش ہے لیکن یہاں پیش نہیں بولا جاتا، بلکہ ان الفاظ کا تلفظ خفیف پیش یعنی او سے ملتی جلتی آواز میں کیا جاتا ہے۔

یہ تینوں مصوتے چوں کہ بالترتیب زبر، زیر اور پیش کی خفیف شکلیں

ہیں اور ان میں اور ان کے جلی لہجے میں آزادانہ تغیّر (FREEVARIATION) کا رشتہ ہے۔ یعنی ایک کی جگہ پر دوسری صوت استعمال ہوسکتی ہے اور ایسا کرنے سے معنی میں فرق لازم نہیں آتا؛ اس لیے انھیں فونیم کا درجہ حاصل نہیں؛ بلکہ خفیف زیر، زیر کی، خفیف زبر، زبر کی اور خفیف پیش، پیش کی ذیلی صوت ہے۔

نون غنہ یعنی مصوّتی غنائیت
(NASALISATION OF VOWELS)

ناک کی تین آوازوں یعنی م، ن فصلی اور ن وصلی کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ یہ تینوں مصمتے ہیں۔ لیکن ناک کی آوازیں مصوتوں سے مل کر بھی ادا کی جاسکتی ہیں۔ غنائی مصمتے کو ادا کرتے ہوئے منہ کا راستہ تقریباً بند کردیا جاتا ہے اور ہوا محض ناک سے خارج ہوتی ہے۔ لیکن غنائی مصوتے کو ادا کرتے ہوئے آواز پیدا کرنے والی ہوا منہ اور ناک دونوں سے بیک وقت خارج ہوتی ہے۔ ایسی آوازیں چونکہ اُردو میں معنی کی تفریق میں مدد دیتی ہیں، اس لیے انھیں فونیم کا درجہ حاصل ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل جوڑے ملاحظہ ہوں:

ڈاٹ	:	ڈانٹ
باٹ	:	بانٹ
ہَے	:	ہیں

وصلی اور فصلی نون سے مصوتی غنائیت کا تضاد پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ فصلی نون میں اعلان نون مکمل طور پر اور وصلی نون میں جزوی طور پر ہوتا ہے جبکہ مصوتی غنائیت کی خصوصیت یہی ہے کہ اس میں اعلانِ نون قطعاً نہیں ہوتا۔

مصوتی غنائیت دو طرح کی ہے: سادہ مصوتی غنائیت اور مخلوط مصوتی غنائیت۔ مخلوط مصوتی غنائیت صرف مسموع بندشی اور مسموع ایفریکیٹ

آوازوں یعنی ب، بھ، د، دھ، ڈ، ڈھ، گ، گھ اور ج، جھ سے پہلے ملتی ہے جبکہ سادہ مصوتی غنائیت بقیہ آوازوں سے پہلے اور لفظ کے آخر میں آتی ہے۔ مخلوط مصوتی غنائیت کی خصوصیت ہے کہ یہ بعد میں آنے والے مصمتوں سے متاثر ہوتی ہے۔ ب، بھ سے پہلے اس میں خفیف سی م کی جھلک، د، دھ، ڈ، ڈھ، ج اور جھ سے پہلے ن کی جھلک اور گ، گھ سے پہلے ن گ کی جھلک آجاتی ہے۔ اس لحاظ سے مصوتی غنائیت کی مندرجہ ذیل قسمیں ہوئیں:

۱۔ م سے مخلوط مصوتی غنائیت۔ یہ ب، بھ سے پہلے ملتی ہے، مثلاً: بانبی، سانبھر۔

۲۔ ن سے مخلوط مصوتی غنائیت۔ یہ د، دھ، ڈ، ڈھ اور ج، جھ سے پہلے ملتی ہے، مثلاً: چاند، گندھ، گونڈ، مینڈھا، گونج، سانجھ۔

۳۔ ن گ سے مخلوط مصوتی غنائیت۔ یہ گ، گھ سے پہلے ملتی ہے، مثلاً: ٹانگ، سونگھ۔

۴۔ سادہ مصوتی غنائیت۔ یہ بقیہ تمام صورتوں میں اور لفظ کے آخر میں ملتی ہے، مثلاً: آنت، کانپ، پھانس، بانس، گاؤں، جاؤں، وغیرہ۔

مندرجہ بالا چاروں آوازیں آپس میں تکملی تقسیم رکھتی ہیں اور اس لیے ایک فونیم یعنی مصوتی غنائیت کی ذیلی اصوات قرار پائیں۔

ع اور ہمزہ ع اور ہمزہ اُردو میں فونیم کا درجہ رکھتے ہیں نہ ذیلی اصوات کا۔ ان کا وجود محض رسم الخط کی حد تک ہے۔ آواز کی حیثیت سے اُردو میں ان علامتوں کا کوئی مقام نہیں۔ جس طرح ص، اُردو میں س سے الگ کوئی آواز نہیں، اسی طرح ع اور ہمزہ بھی مصوتوں سے الگ کوئی

وجود نہیں رکھتے۔ عربی میں ع مسموع حلقی مصمتہ ہے۔ اس کے برعکس اُردو والے ع کو مصمتے کی حیثیت سے ادا ہی نہیں کر سکتے۔ اُردو میں عربی داں حضرات کی قلیل تعداد سے قطع نظر اکثریت کی زبان پر ع کی آواز عموماً ماقبل یا مابعد حرکت سے متاثر ہو کر دس بنیادی مصوتوں میں سے کسی ایک میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ بات ذیل کی مثالوں سے واضح ہو جائے گی۔ ہر لفظ میں ع کی علامت جس مصوتے کی قائم مقام ہے، وہ اس کے سامنے درج کر دیا گیا ہے:-

۱-	عَجَب	(اَجب)	ـَـ	(زبر)
۲-	عادت	(آدت)	ا	(الف)
۳-	عبادت	(اِبادت)	ـِـ	(زیر)
۴-	عید	(اِید)	ـِـ ي	(یائے معروف)
۵-	عُذر	(اُذر)	ـُـ	(پیش)
۶-	عُود	(اُود)	ـُـ و	(واؤ معروف)
۷-	جامع	(جامے)	ـِـ ے	(یائے مجہول)
۸-	عَیب	(اَیب)	ـَـ ے	(یائے لین)
۹-	شُعبہ	(شُوبہ)	ـُـ و	(واؤ مجہول)
۱۰-	عَود	(اَود)	ـَـ و	(واؤ لین)

اس میں شک نہیں کہ عروض میں (جس کے اصول و قواعد کی بنیاد عربی فارسی اصوات پر رکھی گئی ہے) ع کے احکامات الف یعنی مصوتے سے مختلف ہیں۔ الف کو دبایا جا سکتا ہے، لیکن ع کو ہر حالت میں شمار کیا جاتا ہے؛ کیونکہ عربی میں صوتی اعتبار سے ع کی آواز امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے برعکس اُردو میں ع کی اپنی کوئی آواز نہیں۔ بلکہ یہ محض ایک علامت ہے جو مختلف مصوتوں

کے لیے استعمال ہوتی ہے، اس لیے اُردو میں ع کا مصوتوں سے الگ وجود تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا۔ آخری حالت میں ساکن ع دوہرے مصوتے کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔

ع کی طرح ہمزہ بھی اُردو کے صوتیاتی نظام میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ عربی میں ہمزہ ایک مستقل آواز ہے اور اسے حلقی بندشی مصمتے کی حیثیت سے ادا کیا جاتا ہے، لیکن اس کے برعکس اُردو میں ہمزہ کی آواز مصمتے کی نہیں بلکہ مصوتے کی ہے اور یہ دوہرے مصوتوں میں زیر، زبر، پیش اور ان کی مدد سے لکھے جانے والے مصوتوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ غرض ع کی طرح ہمزہ کی بھی اُردو میں اپنی کوئی آواز نہیں اور یہ محض "علامتِ بے صوت" ہے۔ صوتی رکن کے شروع میں اس کی آواز الف کی ہو جاتی ہے۔

نیم مصوتے
SEMI VOWELS

اُردو کے نیم مصوتے دو ہیں :

و اور ی

مندرجہ ذیل اقلی جوڑے ملاحظہ ہوں :-

وار : یار

وہاں : یہاں

اُردو میں چوں کہ مصوتوں کے لیے علامتیں بہت کم ہیں، و اور ی سے دوہرا کام لیا جاتا ہے یعنی و اور ی علامتیں نیم مصوتوں کے علاوہ مصوتوں کے لیے بھی استعمال ہوتی ہیں۔ و اور ی کی ان دو حیثیتوں میں صوتیاتی اعتبار سے اہم فرق ہے۔ مثلاً لفظ یہی میں علامت ی شروع میں بھی ہے اور آخر میں بھی۔ لیکن پہلی آواز نیم مصوتہ ہے اور آخری مصوتہ۔ نیم مصوتے کی صوتی حیثیت کو پہلے واضح کیا جا چکا ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصوتے کو ادا کرتے ہوئے منہ کے اندر ہوا کا راستہ نسبتاً کھلا رہتا ہے جبکہ نیم

مصوتے کے لیے رکاوٹ پیدا تو کی جاتی ہے، لیکن پوری طرح نہیں۔ اُردو میں واو اور ی آوازیں جب کسی لفظ کے شروع میں آتی ہیں تو ان کی حیثیت نیم مصوتے کی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس لفظ کے آخر میں یہ ہمیشہ مصوتے کی آواز دیتی ہیں۔ اُردو رسم الخط میں چوں کہ ی اور و کی علامتوں سے دوہرا کام لیا جاتا ہے، لفظ کے آخر میں ان پر نیم مصوتے کا دھوکا ہو سکتا ہے، لیکن در اصل آخری حالت میں نیم مصوتے کی حیثیت سے ان کا تلفظ اُردو زبان کے صوتی مزاج کے خلاف ہے۔ البتہ ہندی کے آخر میں و اور ی کی آوازیں نیم مصوتوں کی حیثیت سے آتی ہیں، مگر اُردو والے ان الفاظ میں انھیں مصوتوں میں تبدیل کر دیتے ہیں یا حذف کر کے بولتے ہیں، مثلاً :

گانْو	:	گاؤں
چھانْو	:	چھاؤں
راجیہ	:	راج
ستیہ	:	ست (سچ)

اُردو میں و کی تین ذیلی اصوات ہیں :

۱۔ لب دنتی و ۔ یہ لفظ کے یا صوتی رکن کے شروع میں آتی ہے۔ مثلاً وہ، ورنہ، واحد یا چاول، ساون، باور

۲۔ دولبی و ۔ یہ صرف ادیری مدور مصوتے کے بعد آتی ہے اور اُردو میں بہت کم ملتی ہے، مثلاً : جُوا۔ ہندی میں سُوَر بمعنی سُر۔

۳۔ لب دنتی خفیف و ۔ یہ دو مصوتوں کے درمیان آتی ہے، مثلاً : خواب، خواہ، سوانگ۔ واؤ یہاں دو مصوتوں کے درمیان پل کا کام دیتی ہے اور چوں کہ اس کی مدد سے پہلا مصوتہ بتدریج دوسرے مصوتے

میں ضم ہوتا ہے۔ لسانیات کی اصطلاح میں اسے لہریہ GLIDE کہتے ہیں۔

اُردو میں ی کی دو ذیلی اصوات ہیں:

۱۔ ی۔ یہ لفظ کے شروع میں آتی ہے، مثلاً یہاں، یاس، یوم، یادگار وغیرہ۔ یا پھر وسطی اور آخری صوتی رکن کے شروع میں جب اس سے پہلے کوئی مصمتہ ہو، مثلاً بنیا، بریاں، دنیا۔

۲۔ خفیف ی۔ یہ دو مصوتوں کے درمیان آتی ہے، مثلاً لیے، کیے، آیا، گیا۔ ان الفاظ میں ی سے پہلے بھی مصوتہ ہے اور بعد میں بھی مختلف مصوتوں کے اعتبار سے اس کے نازک اختلافات کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ تاہم اتنی بات واضح ہے کہ دو مصوتوں کے درمیان ی کا تلفظ نہایت خفیف ہوتا ہے اور اس کے لیے زبان کو تالو کی طرف اتنا اونچا نہیں اُٹھانا پڑتا جتنا لفظ کے یا صوتی رکن کے شروع میں ی کے لیے اُٹھایا جاتا ہے۔ خفیف ی دو مصوتوں کے درمیان لہریہ کا کام دیتی ہے۔

بالاصوتی امتیازی عناصر
SUPRASEGMENTAL PHONEMES

اوپر جن مصمتی، مصوتی اور نیم مصوتی فونیم کا ذکر کیا گیا، ان سب کو ملا کر بنیادی آوازیں (SEGMENTAL PHONEMES) کہا جاتا ہے۔ لیکن ہر زبان میں کچھ ایسے عناصر بھی ہوتے ہیں جنھیں صحیح معنوں میں صوت تو نہیں کہا جا سکتا مگر جو اصوات کو متاثر کر کے معنی کی تفریق میں اہم مدد دیتے ہیں۔ مثلاً لہجے کے اُتار چڑھاؤ کا فرق اور الفاظ کو ملا کر یا توڑ کے بولنے کا فرق۔ لسانیات کی اصطلاح میں انھیں SUPRASEGMENTAL PHONEMES

کہا جاتا ہے۔ اُردو میں ہم انھیں زبان کے بالاصوتی امتیازی عناصر کہہ سکتے ہیں یہاں مختصراً اُردو کے بالاصوتی امتیازی عناصر کی نشان دہی کی کوشش کی جاتی ہے۔

زبان میں آوازوں کو ادا کرتے اور جملے کو بولتے ہوئے لہجے کے اُتار چڑھاؤ (INTONATION) کا فرق بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہر زبان کے بولنے والوں کا مخصوص لہجہ ہوتا ہے اور لب و لہجے کی ذرا سی تبدیلی سے معنی کیا سے کیا ہو سکتے ہیں۔ چند سال پہلے لسانیاتی مطالعے میں لب و لہجے کو کم و بیش نظر انداز کر دیا جاتا تھا، لیکن جب سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ہر زبان کے لب و لہجے کی مخصوص صوتی سطحیں PITCH LEVELS ہوتی ہیں جن سے معنی کی تفریق میں مدد ملتی ہے، اس طرف زیادہ توجہ دی جانے لگی ہے؛ بلکہ اب تو لب و لہجے کے ذکر کے بغیر صوتیاتی تجزیہ مکمل ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اُردو میں لہجے کی خصوصیات پر ابھی کوئی کام نہیں ہوا، اور یہ صوتی سائنسی آلات کی مدد کے بغیر ممکن بھی نہیں۔ تاہم سامعہ کے ذریعے لہجے کا جو فرق محسوس کیا جا سکتا ہے: ذیل میں اس کی طرف کچھ اشارے کیے جاتے ہیں۔

سب سے پہلے اس مکالمے پر غور فرمائیے:

عمر: آپ کہاں جا رہے ہیں؟

زید: بازار۔

عمر: بازار؟

زید: جی ہاں۔

اس مکالمے کے دوسرے اور تیسرے کلمے میں بظاہر کوئی فرق نہیں۔ یعنی ایک سی آوازیں ہیں اور ایک ہی لفظ۔ پھر بھی سننے والے کو دونوں کلمے ایک سے

محسوس نہیں ہوتے اور دونوں کے مفہوم میں فرق بھی ہے۔ یہ فرق کیسے پیدا ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ لہجے کی تبدیلی کا اثر ہے۔

اُردو میں لہجے کے فرق کی تین صوتی سطحیں نمایاں طور پر محسوس کی جا سکتی ہیں۔ لسانیات میں انھیں ظاہر کرنے کے لیے عموماً ہندسوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ہم ۱ سے خفی، ۲ سے میانہ اور ۳ سے جلی لہجہ مراد لیں گے۔ اب مندرجہ بالا مکالمے پر نظر رکھتے ہوئے دوبارہ غور کیجیے کہ عمر کے پوچھنے پر زید نے کس لہجے میں اسے جواب دیا ہوگا اور عمر نے پھر اسی لفظ کو دہراتے ہوئے کس لہجے میں دوبارہ زید سے سوال کیا ہوگا۔ ممکن ہے زید کے ہاتھ میں سامان خریدنے کی ٹوکری ہو اور اس نے سیدھے سادے طور پر جواب دیا ہو کہ یہ بدیہی بات ہے، مجھے بازار جانا ہے۔ اس صورت میں اس نے لفظ بازار کو میانہ لہجے میں کہنا شروع کیا ہوگا، ز پر لہجہ جلی ہوگیا ہوگا اور پھر ر تک پہنچتے ہوئے خفی۔ چنانچہ اسے ہم یوں ظاہر کر سکتے ہیں:

یہ بھی ممکن ہے کہ زید نے کلمہ میانہ لہجے سے شروع کر کے خفی لہجے پر ختم کیا ہو:

اس صورت میں زید بے دلی سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ کیا کروں اور کوئی کام ہی نہیں، اس لیے بازار جا رہا ہوں۔ لیکن اگر وہ یہ کہنا چاہے کہ جی ہاں، بازار جا رہا ہوں، اس لیے کہ اس وقت بازار جانا میرا معمول ہے، تو وہ میانہ لہجے سے شروع کر کے کلمے کو جلی لہجے پر ختم کرے گا:

اُردو میں بیانیہ اور استفہامیہ جملے عموماً میانہ لہجے سے شروع ہوتے ہیں لیکن جس خاص مفہوم کی وضاحت مطلوب ہو، اس سے متعلق لفظ پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل مثالیں ملاحظہ ہوں:

کیا آپ کتاب لینے بازار گئے تھے۔
کیا آپ کتاب لینے بازار گئے تھے۔
کیا آپ کتاب لینے بازار گئے تھے۔
کیا آپ کتاب لینے بازار گئے تھے۔

پہلے جملے میں لفظ آپ کو، دوسرے میں کتاب کو، تیسرے میں لینے کو اور چوتھے میں بازار کو جلی لہجے میں ادا کیا گیا ہے اور ایسا کرنے سے ہر بار جملے کا مفہوم تبدیل ہو گیا ہے۔ زبان میں لہجے کی صوتی سطحیں چونکہ معنی کا فرق قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے، اس لیے انھیں فونیم قرار دیا جاتا ہے۔ اُردو میں لہجے کی تین صوتی سطحوں خفی، میانہ اور جلی میں امتیاز کیا جا سکتا ہے؛ اس لیے یہ اُردو کی تین فونیم قرار پائیں۔

جوڑ JUNCTURE اُردو زبان میں چند الفاظ ایسے بھی ملتے ہیں، جنھیں ملا کر پڑھا جائے تو ایک معنی اور اگر توڑ کے پڑھا جائے تو دوسرے معنی اخذ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کے جملے ملاحظہ ہوں :

(ا) مکڑی نے بنائے جالے

دوڑ اسے تو جا لے

(ب) جو کوئی کسی کو یار کلپاوے گا

یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پاوے گا

مثال الف کے پہلے کلمے میں جالے جمع ہے اسم جالا کی، لیکن دوسرے کلمے میں جب اسی لفظ کو صوتی توقف کے ساتھ توڑ کے پڑھا گیا تو مرکب فعل جالینا کا صیغہ امر جالے ہو گیا جو معنی میں جالے یعنی اسم سے بالکل مختلف ہے۔ اسی طرح دوسری مثال کے پہلے کلمے میں کلپاوے کھڑی بولی کا مضارع ہے، مصدر کلپانا یا کلپاونا ہے، لیکن جب اسی کلپاوے کو ذرا سے صوتی توقف سے دو حصوں میں توڑ کے پڑھا گیا تو کل یعنی چین اور پانا مصدر سے پاوے مضارع حاصل ہوا ؛ اور ظاہر ہے کہ معنی بالکل تبدیل ہو گئے۔ دونوں مثالوں کے دوسرے کلموں میں جس صوتی توقف سے معنی کا فرق پیدا ہوا اسے لسانیات کی اصطلاح میں جوڑ JUNCTURE کہتے ہیں۔ جوڑ چونکہ ایک معنی کو دوسرے معنی سے ممیز کرنے میں بنیادی آواز کا سا کام کرتا ہے، اس لیے اسے بھی فونیم کا درجہ حاصل ہے۔

اُردو فونیم کی تعداد اوپر اُردو کی ۲۴ مصمتی، ۱۱ مصوتی اور ۲ نیم مصوتی فونیم کا ذکر کیا گیا۔ ان کے علاوہ ۴ بالا صوتی امتیازی عناصر کی نشاندہی بھی کی گئی۔ اس طرح اُردو کی کل فونیم ۴۱ ہوئیں۔ ذیل میں ان کی مکمل فہرست پیش کی جاتی ہے :

۴۹۸۵

۱- پ
۲- ب
۳- ت
۴- د
۵- ٹ
۶- ڈ
۷- چ
۸- ج
۹- ک
۱۰- گ
۱۱- ق
۱۲- م
۱۳- فصلی نون
۱۴- وصلی نون۔ اس کی پانچ ذیلی اصوات ہیں { ۱ (دنتی) - ۲ (بالا دنتی) ۳ (معکوسی) - ۴ (تالوئی) ۵ (غشائی)
۱۵- ف
۱۶- س
۱۷- ز
۱۸- ش
۱۹- خ
۲۰- غ
۲۱- ہ - اس کی تین ذیلی اصوات ہیں: { ۱ (ہائے مخلوط کامل) ۲ (ہائے مخلوط جزوی) ۳ (ہائے ملفوظی)
۲۲- ل
۲۳- ر
۲۴- ڑ

۲۵- و- اس کی تین ذیلی اصوات ہیں: ۱ (لب دنتی و) ۲ (دولبی و) ۳ (لب دنتی خفیف و)
۲۶- ی- اس کی دو ذیلی اصوات ہیں: (ی) اور (خفیف ی)

۲۷- زبر- اس کی دو ذیلی اصوات ہیں: (زبر) اور (امالہ دار زبر)
۲۸- الف
۲۹- زیر- اس کی دو ذیلی اصوات ہیں: (زیر) اور (امالہ دار زیر)
۳۰- یائے معروف

۳۱- پیش- اس کی دو ذیلی اصوات ہیں (پیش) اور (امالہ دار پیش)

۳۲- واؤ معروف

۳۳- یائے مجہول

۳۴- یائے لین

۳۵- واؤ مجہول

۳۶- واؤ لین

۳۷- مصوتی غنائیت یعنی نون غنہ۔ اس کی چار ذیلی اصوات ہیں: ۱ (سادہ مصوتی غنائیت) ۲ (م سے مخلوط) ۳ (ن سے مخلوط) ۴ (ڈ گ سے مخلوط)

۳۸- خفی لہجہ /۱/

۳۹- میانہ لہجہ /۲/

۴۰- جلی لہجہ /۳/

۴۱- جوڑ

استعمال اصوات

تعلیم زبان کا کام کرتے ہوئے یہ نکتہ خاطر نشاں رہنا چاہیے کہ آوازیں بالذات کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ بلکہ اصل چیز زبان میں ان کا استعمال ہے اور اسی پہ طالب علم کو قدرت حاصل کرنا ہے۔

زبان چوں کہ اصوات کی باہمی ربط و تنظیم سے تشکیل پاتی ہے، اس میں ایک آواز دوسری آوازوں سے مل کر کئی حالتوں میں ظاہر ہو سکتی ہے۔ یا تو وہ ابتدائی حالت میں آئے گی یا وسطی حالت میں یا آخری حالت میں استعمال ہو گی، یا تو اس کے دونوں طرف مصوتے ہوں گے یا دونوں طرف مصمتے یا وہ کسی مخصوص مصمتے یا مصوتے سے پہلے یا اس کے بعد آئے گی۔ اس طرح کسی بھی زبان میں اس کی آوازوں کے ایک دوسرے سے ملنے کے لاکھوں

امکانات ہو سکتے ہیں لیکن کوئی بھی زبان اِن امکانات کو پوری طرح سے استعمال نہیں کرتی بلکہ ان کے ایک نہایت قلیل حصّے یعنی دس یا پندرہ فی صدی کو کام میں لاتی ہے۔ اسے زبان کی داخلی کفایت شعاری (INTERNAL ECONOMY) کہتے ہیں اور اس کے تحت زبان کی مخصوص آوازیں فقط چند بندھے ٹکے اصولوں کے تحت ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر اُردو میں س خ آوازوں کے جوڑ لیجیے۔ ان سے پہلے اُردو کے مصمّتے لگانے سے فقط چند ہی لفظ بنتے ہیں، مثلاً نسخ، مسخ، فسخ۔ لیکن اگر ل، م اور ف کے علاوہ س خ سے پہلے اُردو کے مصمتوں سے کوئی اور آواز لگایئے تو جو لفظ بنتا ہے، وہ اُردو میں مستعمل نہیں، مثلاً سسخ، شسخ، خسخ، غسخ وغیرہ۔

ہر زبان کے استعمالِ اصوات کے اپنے اصول ہوتے ہیں اور زبان کا لسانیاتی تجزیہ کر کے انھیں معلوم کیا جا سکتا ہے۔ تعلیمِ زبان کے ابتدائی اسباق اگر ان اصولوں کی روشنی میں تیار کرائے جائیں تو ایسے تمام صوتیاتی جوڑوں کی مشق کرنے سے تلفظ پر عبور حاصل کرنے میں بڑی آسانی پیدا ہو جائے گی۔

اُردو ایک مخلوط زبان ہے۔ اس کے صوتیاتی نظام میں ہکار آوازیں پھ بھ، تھ دھ، ٹھ ڈھ، چھ جھ، کھ گھ اور معکوسی آوازیں ٹ، ڈ، ڑ خالص ہند آریائی آوازیں ہیں۔ باقی آوازوں میں ز ف خ غ فارسی اور عربی کی مشترک آوازیں ہیں، ق خاص عربی اور ژ خاص فارسی صوت ہے۔ چنانچہ سوائے چند الفاظ کے خاص ہند آریائی آوازیں خاص عربی یا فارسی آوازوں کے ساتھ مل کر نہیں آتیں۔ یعنی ق ژ ز ف خ غ آوازیں پھ بھ تھ دھ وغیرہ ہکار آوازوں کے ساتھ یا ٹ ڈ ڑ معکوسی آوازوں کے ساتھ مل کر استعمال نہیں ہوتیں۔ غرض اُردو میں خبھ، بھخ، فجھ، جھف یا اس طرح

کے سینکڑوں مختلف الاصل آوازوں کے جوڑ ناممکن ہیں۔ اس کے برعکس جو آوازیں ایک دوسرے سے مل سکتی ہیں، ان کا بھی ہر ممکن جوڑ استعمال نہیں ہوتا۔ دوسری زبانوں کی طرح اُردو بھی استعمالِ اصوات کے کل امکانات کے ایک نہایت قلیل حصّے کو کام میں لاتی ہے۔ اس سلسلے میں اُردو کے بعض خصائص مندرجہ ذیل ہیں:

اُردو کی مفرد ہکار آوازیں دوسری ملکی آوازوں سے مل کر لفظ کے شروع، وسط یا آخری تینوں حالتوں میں استعمال ہوتی ہیں۔ سوائے چھ کے جو کسی لفظ کے آخر میں نہیں آتا۔ اس طرح مخلوط ہکار آوازیں یعنی لھ، مھ، نھ صرف وسطی حالت میں استعمال ہوتی ہیں، سوائے لفظ منھ کے جہاں نھ آخر میں آیا ہے۔

نیم مصوّتے ی اور و لفظ کے آخر میں نہیں آتے۔ رسم الخط کی وجہ سے غلط فہمی ہو سکتی ہے کیوں کہ اُردو کے کئی لفظ و یا ی پر ختم ہوتے ہیں، لیکن در اصل ان میں آخری اصوات مصوتوں کی حیثیت سے آتی ہیں نہ کہ نیم مصوتوں کی حیثیت سے۔

اُردو میں ڑ ڑھ کبھی لفظ کے شروع میں استعمال نہیں ہوتے۔

جڑواں مصمتے
CONSONANTAL CLUSTERS

زبان کی مختلف اصوات میں اپنی نوعیت اور مخرج کے اعتبار سے سب سے آسان تلفظ مصوتوں کا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مصمتوں کا ادا کرنا نسبتہً پیچیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الفاظ کی تشکیل میں مصمتے اکثر و بیشتر مصوتوں سے مل کر آتے ہیں۔ لیکن ہر زبان میں ایک معقول تعداد ایسے الفاظ کی بھی ہوتی ہے جن میں دو مصمتے آپس میں جڑواں ہو کر اس طرح سے آتے ہیں کہ وہ مصوتوں کا مطلق سہارا نہیں لیتے۔

ایسی حالت میں تلفظ آسان نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ کسی مصمتے کو انفرادی طور پر ادا کرنا اتنا مشکل نہیں، جتنا اُسے وصلی طور پر دوسرے مصمتے کے ساتھ ملا کر ادا کرنا ہے۔ مثلاً اگر کسی لفظ میں مصمتے کا جوڑ مصوتے سے ہے یعنی ق ا : قا (لفظ قاف میں) یا غ ی : غی (لفظ مرغی میں) تو اس جوڑ کا تلفظ مشکل نہیں۔ لیکن اگر دو یا زیادہ مصمتے ایک ساتھ جڑواں طور پر آئیں یعنی ایک ساکن مصمتے کے بعد دوسرا مصمتہ بھی ساکن ہو اور لفظ میں وقف ہو تو انھیں نئی زبان کے طالب علم کے لیے الفاظ کی روانی میں صحیح طور سے ادا کرنا خاصا پیچیدہ امر ہے۔ انگریزی میں تین تین چار چار مصمتوں کے وصلی جوڑ عام ہیں :

stay,	stem,	stone,	still	(st)
desks,	tasks,	asks		(sks)
	thousandths			(ndθs)
lengths	strengths			(ngθs)

لیکن عربی فارسی میں فقط دو مصمتوں کے جوڑے ملتے ہیں۔ مثلاً

[در] غَدْر بَدْر صَدْر قَدْر
[کر] ذِکْر فِکْر شُکْر مُکْر
[رز] دَرْز اَرْض عَرْض قَرْض طَرْز گَرْز
[زم] عَزْم نَظْم هَضْم جَزْم رَزْم بَزْم

مصمتوں کے ایسے وصلی جوڑوں کا تلفظ نئی زبان کے طالب علم کے لیے نسبتہً مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ ابتدائی اسباق میں ان جوڑوں کی مشق الفاظ اور جملوں کی صورت میں کرانا بہت ضروری ہے۔ جڑواں مصمتے لفظ کے شروع یا آخر میں کہیں بھی آسکتے ہیں۔ سنسکرت اور ہندی میں جڑواں مصمتے ابتدائی اور

آخری دونوں حالتوں میں ملتے ہیں لیکن اُردو میں ایسا نہیں۔ اُردو اس معاملے میں ہند آریائی زبانوں کے اس قدیم رجحان کی علم بردار ہے جو پراکرتوں اور اپ بھرنشوں سے ہوتا ہوا کھڑی بولی تک پہنچا ہے۔ پراکرتوں اور اپ بھرنشوں میں تت سم الفاظ کو سہل بنانے کا رجحان نہایت قوی رہا ہے اور اسے اپنی ترقی یافتہ شکل میں اُردو میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ اردو زبان کی خصوصیت خاصہ ہے کہ وہ اکثر و بیشتر تت سم الفاظ کے ابتدائی یا آخری جڑواں مصمتوں کو قبول نہیں کرتی۔ اُردو میں انھیں عام طور سے توڑ دیا جاتا ہے اور ان میں مصوتوں کا اضافہ کر کے انھیں سہل بنا لیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر سنسکرت لفظ بْرہمن (Brahman) کو اُردو میں بَرہمن (Barahman) یا "بامن" پْراکرت کو پَراکرت اور پْرجا کو پَرجا بولا جاتا ہے۔ یہ ابتدائی جڑواں مصمتوں کی مثال تھی، یہی حال تت سم الفاظ کے آخری جڑواں مصمتوں کا ہے۔ مثلاً

کرْم > کرَم
دھرْم > دھرَم
بھرْم > بھرَم
چندْر > چندَر
چکْر > چکَر
بھسْم > بھسَم
بھگْت > بھگَت

اُردو نے یہ برتاؤ فقط سنسکرت الفاظ ہی سے نہیں بلکہ عربی فارسی کے مستعار الفاظ سے بھی کیا ہے۔ مثلاً

صَدْر > صَدَر — عَقْل > عَقَل
بَدْر > بَدَر — دَرْد > دَرَد
غَدْر > غَدَر — نَرْم > نَرَم
قَدْر > قَدَر — گَرْم > گَرَم
اَصْل > اَصَل — صَبْر > صَبَر
قَتْل > قَتَل — وَقْت > وَقَت

لیکن اس کے باوجود اُردو میں ایک بڑی تعداد ایسے الفاظ کی بھی ہے جن میں جڑواں مصمتوں کو برقرار رکھا جاتا ہے، مثلاً

حُسْن ، دَشت ، مَست ، چُست ، سُست ، بَزْم ، رَزْم ، چَشْم ،

چوں کہ اُردو کے ذخیرۂ الفاظ پر عربی فارسی کا گہرا اثر ہے اور اُردو کا تعلیم یافتہ طبقہ ان زبانوں سے مستعار الفاظ میں جڑواں مصمتوں کو صحیح طور سے ادا کرنے پر قادر ہے، اس لیے غیر ملکی طالب علم کو زبان سکھاتے ہوئے اردو کے بعض خاص خاص جڑواں مصمتوں کی مشق کرانا ضروری ہے۔ یہاں نمونے کے طور پر آخری حالت میں ت سے ملکر بننے والے اُن جڑواں مصمتوں کی فہرست پیش کی جاتی ہے جو اُردو میں مروج ہیں :

[س ت]

سُست ، دوست ، پوست ، پَرَست ، مَست ، دَست ، پَست ، جَست ، بَست ، چُست ، شَکَست ، راست ، سُست ، قِسط ، وَسط ، ہَست ، زیست ، بندوبست ، بسط۔

[ش ت]

بہشت ، گذشت ، نوشت ، کِشت ، گُشت ، دَشت ، مُشت ، چشت

سرشت، بالشت، برداشت، زشت، گشت، گوشت، پشت، خشت، چاشت، نگہداشت۔

[خ ت]

بخت، تخت، سخت، لخت، دخت، پخت، سوخت، رخت، ریخت، ساخت، فروخت۔

[ف ت]

ہفت، زربفت، جفت، گفت، بازیافت، دریافت، رفت، مفت۔

یہ اُردو میں استعمال ہونے والے جڑواں مصمتوں کی محض چند مثالیں تھیں۔ اسی نہج پہ اُردو کے ذخیرۂ الفاظ کا جائزہ لے کر ان تمام جڑواں مصمتوں کی نشان دہی کی جا سکتی ہے جو اُردو میں مستعمل ہیں۔ ان کی تعداد پچیس تیس سے زیادہ نہ ہوگی۔ ایسی مکمل فہرست کی مدد سے اُردو کے غیر ملکی طالب علم کے لیے ابتدائی مشق کے چند نہایت کارآمد اسباق تیار کیے جا سکتے ہیں۔

مادری زبان

ابھی تک ہم نے اپنی توجہ تعلیم زبان کے ایک پہلو یعنی نئی زبان پر مرکوز کر رکھی تھی لیکن دراصل تعلیم زبان کے کام میں دو طرفہ مسائل کا سامنا رہتا ہے، ایک تو نئی زبان ہی کی لسانیاتی پیچیدگیوں سے پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو مادری زبان کی قائم شدہ صوتی عادتوں کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ مادری زبان کا صوتیاتی نظام بالغ طالب علم کے تحت الشعور میں اس حد تک رچ بس جاتا ہے کہ اس کی سماعت بھی اسی تک محدود ہو کے رہ جاتی ہے چنانچہ وہ نئی زبان کی آوازوں کو بھی مادری زبان کے انداز سے سننے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر استاد لسانیات میں تربیت یافتہ ہے تو وہ طالبِ علم کی مادری زبان اور نئی زبان کے

مشترک اور مختلف مقامات کو واضح کر کے نہ صرف اس کے شکوک رفع کر سکے گا بلکہ اُسے مادری زبان کی غلامی سے بھی با آسانی نجات دلا سکے گا۔

اگر بالغ طالب علم خود اپنی مادری زبان کی امتیازی آوازوں سے باخبر ہے اور ان کے تجزیے کا اہل ہے تو نہایت مستحسن ہے کیوں کہ جو شخص اپنی مادری زبان پر حاوی نہیں، اس کے لیے نئی زبان سیکھنا مشکل ہے۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ بالغ طالب علم نئی زبان کی نئی آوازوں سے زیادہ گھبراتا ہے لیکن یہ گھبراہٹ محض اس کے اپنے تصور کی پیدا کی ہوئی ہوتی ہے۔ گو مختلف زبانوں کی آوازیں مختلف ہوتی ہیں، لیکن اکثر و بیشتر دو زبانوں میں اصوات کی ایک بڑی تعداد مشترک ہوتی ہے۔ نئی آوازیں چند ایک ہوتی ہیں اور ان کی نوعیت اور مخرج سمجھ لینے کے بعد انھیں آسانی سے سیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن نئی زبان کے صوتیاتی نظام میں سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ پرانی آوازوں کے نئے استعمال سے پیدا ہوتا ہے جانی پہچانی آوازوں کے پرانے استعمال کی عادت برابر گڑبڑ پیدا کرتی رہتی ہے اور نئے استعمال کی صحیح عادتیں بڑی دیر میں اور بڑی مشکل سے قائم ہو پاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہکار آوازیں انگریزی اور اُردو دونوں میں ملتی ہیں لیکن اُردو میں ان کا استعمال انگریزی سے بالکل مختلف ہے۔ انگریزی میں بندشی آوازیں p t k جہاں لفظ کے شروع میں آتی ہیں، انھیں نسبتہً زور سے ادا کیا جاتا ہے جس سے ان کا تلفظ ہکار ہو جاتا ہے۔ یعنی pin ، kill اور till میں بالترتیب p ، k اور t کا تلفظ ph ، kh اور th کے طور پر ہکار حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ لیکن یہی بندشی آوازیں اگر شروع کے

بجائے وسطی حالت میں آئیں تو ان کا تلفظ ہکار نہیں ہوتا۔ مثلاً SPIN
اور STILL SKILL میں p t اور k کا تلفظ سادہ
بندشی آوازوں کا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انگریزی میں ہکار آوازیں
معنی کا فرق قائم رکھنے میں مدد نہیں دیتیں۔ انگریزی میں ph دراصل
p کی ایک ذیلی صوت ہے جو ایک خاص ماحول میں استعمال ہوتی ہے یعنی
جب p لفظ کے شروع میں آئے تو اُسے ph کی حیثیت سے ادا کیا
جاتا ہے۔ اس کے برعکس اُردو میں ہکار آوازیں مستقل حیثیت رکھتی ہیں اور معنی
کے فرق میں مدد دیتی ہیں مثلاً پھٹ، پٹ؛ بھاری، باری؛ تھک، تک؛
دھم، دم وغیرہ۔ چنانچہ اُردو کے یوروپی طالب علم کو ان آوازوں کے صحیح
استعمال پر قادر ہونے کے لیے خاصی دقّت کا سامنا کرنا پڑے گا اور جانی
پہچانی ہکار آوازوں کے نئے استعمال کی عادتیں راسخ کرنے کے لیے
مسلسل مشق سے کام لینا ہوگا۔

نئی زبان سیکھنے کی راہ میں مادری زبان کی وجہ سے ایسی اور بھی بہت
سی اڑچنیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں مادری زبان کی حیثیت سے انگریزی کی
مثال سامنے رکھتے ہوئے بعض دوسرے نکتوں کی بھی وضاحت کی جاتی ہے۔
دوسری مادری زبانوں سے پیدا ہونے والے مسائل کی نوعیت کو بھی اسی پر
قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ہکار آوازوں کی طرح معکوسی آوازیں بھی اُردو میں خاص ہیں۔ اُردو
میں چھ معکوسی آوازیں ہیں: ٹ ڈ ٹھ ڈھ ڑ اور ڑھ۔ بظاہر انگریزی
t d اُردو ٹ اور ڈ سے ملتی جلتی ہیں لیکن انگریزی آوازیں صوتی
اعتبار سے اُردو آوازوں سے مختلف ہیں۔ گو نوعیت کے لحاظ سے دونوں

بندشی ہیں لیکن انگریزی آوازیں اوپری مسوڑھوں کے پچھلے حصے سے ادا ہوتی ہیں اور اُردو آوازوں میں زبان کی نوک کو ذرا سا الٹا کر کے تالو سے لگانا پڑتا ہے۔

انگریزی میں چوں کہ ت د اور تھ دھ آوازیں نہیں ہیں، انگریز طالب علم عام طور پر اُردو کی تھ اور دھ آوازوں کو انگریزی θ thin اور ð then کا قائم مقام سمجھ لیتا ہے، جو غلط ہے۔ دراصل تھ اور دھ بندشی ہکار آوازیں ہیں جبکہ انگریزی کی θ اور ð نہ تو بندشی آوازیں ہیں اور نہ ہکار؛ بلکہ یہ صفیری آوازیں ہیں اور اُردو آوازوں سے یکسر مختلف ہیں۔

یہی کیفیت مصوتوں کے فرق کی ہے جسے سمجھنے کے لیے گہرے صوتیاتی تجزیے کی ضرورت ہے جس کی اس مختصر مقالے میں گنجائش نہیں البتہ اس سلسلے میں اتنا جاننا نہایت اہم ہے کہ مصوتوں کے استعمال میں انگریزی زبان DIPHTHONGAL ہے، یعنی انگریزی الفاظ کی ترتیب میں مصوتے اکثر و بیشتر دوہرے استعمال ہوتے ہیں جب کہ اردو MONOPHTHONGAL زبان ہے یعنی اس میں زیادہ تر واحد مصوتوں سے کام لیا جاتا ہے۔

تعلیم زبان میں ایک دشواری یہ بھی پیش آتی ہے کہ انگریزی کی طرح اُردو زبان نہیں۔ انگریزی میں بعض ارکان STRESSED بل دار SYLLABLES کو دبا کر اور بعض کو زور دے کر بولا جاتا ہے، کیوں کہ ارکان پر زور دے کر بولنے کی یہ خصوصیت انگریزی میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے معنی کا فرق لازم آتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اُردو میں ایسا نہیں۔ اُردو لفظ کے تمام ارکان کم و بیش ایک ہی انداز سے بولے

جاتے ہیں اور ان سب کو پورے طور سے ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اُردو کا لب و لہجہ INTONATION PATTERN بھی انگریزی سے مختلف ہے اور اُردو سیکھتے ہوئے انگریز طالب علم کو اپنی مادری زبان کے لہجے کو بھی خیرباد کہنا ہوگا ورنہ اُردو لب و لہجہ کی عادتیں قائم نہ ہوسکیں گی۔

جس قدر کسی بالغ کی عادتیں اپنی مادری زبان میں راسخ ہوچکی ہوں گی اُسی قدر زیادہ دقّت کا سامنا اُسے نئی زبان سیکھنے کے لیے کرنا پڑے گا۔ ہر طالب علم چوں کہ نئی زبان کو اپنی مادری زبان کے پیمانے سے ناپتا ہے اس لیے ہر نئے لفظ پر اُس کا ذہن مادری زبان کے ذخیرے کی طرف منتقل ہوتا ہے اور وہ ہر نئی چیز کو پرانی ترازو سے تولتا ہے۔ ماہرینِ لسانیات اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نئی زبان میں دسترس بہم پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ اُن عادتوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جو مادری زبان کا غلام بنائے رکھتی ہیں۔ شروع شروع میں کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ترجمے سے اور مترادفات کا سہارا لینے سے وقت بچ جائے گا لیکن دراصل ترجمے وغیرہ کے روایتی طریقوں پر تکیہ کرنے سے ذہن بجائے نئی زبان کے مادری زبان ہی کی طرف راجع رہتا ہے اور آگے چل کر ان سے نہ صرف زبان سیکھنے کے کام میں تاخیر ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات تو ایسی غلط عادتیں قائم ہوجاتی ہیں کہ نئی زبان پر مکمل عبور حاصل کرنا دیوانے کا خواب بن کر رہ جاتا ہے۔

فطری طریقِ کار

واقعہ یہ ہے کہ نئی زبان سیکھنے کا کام خواہ عمر کے کسی بھی حصّے میں شروع کیا جائے، اس کا طریقِ عمل وہی ہوگا، جس کے ذریعہ ایک بچّہ اپنی مادری زبان سیکھتا ہے۔ لسانیات نے نئے سائنسی تجربات کی مدد سے اُن مدارج کا کھوج لگا لیا ہے جو مادری زبان سیکھنے کے

لیے ایک بچّے کو طے کرنا پڑتے ہیں۔ اتنی بات تو سب جانتے ہیں کہ مادری زبان بولنے سے پہلے بچہ نہ تو حروف تہجی لکھنا سیکھتا ہے اور نہ اسے زبان کی گردانوں، صیغوں یا افعال کا پتا ہوتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ بچہ سب سے پہلے زبان کو سننے اور اُسے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، اس کے بعد وہ اپنے ٹوٹے پھوٹے انداز سے نقل اُتارتے ہوئے بولنا شروع کرتا ہے اور اس طرح تھوڑے ہی مدّت میں وہ عام بول چال کی منزل تک پہنچ جاتا ہے گو اس منزل پر وہ زبان کی ساخت سے واقف ہوتا ہے نہ گرامر کے اصول و قواعد سے۔ لیکن اس کے باوجود وہ زبان کو صحیح طور سے استعمال کرنے لگتا ہے۔ لکھنے اور پڑھنے کے مدارج تو کہیں بعد میں اس وقت جاکر طے ہوتے ہیں جب زبان کا بنیادی ڈھانچہ بچے کے مزاج کا حصہ بن جاتا ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بچے اور بالغ کی عمر میں جو فرق ہے، اس کے پیشِ نظر نئی زبان سیکھنے کے مدارج مادری زبان سیکھنے سے مختلف ہونا چاہیے۔ یہ بات صحیح ہے کہ بچے کے مقابلے پر بالغ کا ذہن زیادہ بیدار ہوتا ہے اور اس کی قوتِ فہم اور اخذ و قبول کی صلاحیت بھی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن بنیادی بات یہ ہے کہ دونوں کے اعضاے صوت ایک ہی سے ہوتے ہیں بلکہ بالغ کے اعضاے صوت تو بڑی حد تک اپنی پہلی لچک سے محروم ہو چکے ہوتے ہیں چنانچہ ایک بالغ کے لیے نئی صوتیاتی عادتیں قائم کرنا نسبتہً مشکل ہوتا ہے۔ نیز پڑھنے لکھنے کے کام کو شروع ہی سے زیادہ اہمیت دے کر اس مشکل کو اور بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔ یہ کام تنے کو چھوڑ کر پتوں کو پانی دینے کی مثال ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محنت زیادہ اٹھتی ہے اور وقت بے انتہا صرف ہوتا ہے۔

زبان اپنی نوعیت کے اعتبار سے بنیادی طور پر تقریری ابلاغ SPOKEN COMMUNICATION

کا ذریعہ ہے اور تحریری ابلاغ WRITTEN COMMUNICATION کی حیثیت محض ثانوی ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ بالغ طالب علم کے لیے تعلیم زبان کا کام زبان کے فطری مدارج کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔ یہ مدارج تین ہیں :- (۱) سننا اور سمجھنا (۲) بولنا (۳) پڑھنا اور لکھنا۔

لسانیات نے زبان سیکھنے کے جس فطری طریق کار پر زور دیا ہے، وہ زبان کے انھیں تین فطری مدارج سے عبارت ہے۔ یعنی تحریری پہلو سے پہلے سماعی اور تقریری پہلوؤں پر توجہ کرنی چاہیے۔ بول چال کی منزل میں داخل ہونے سے پہلے ایک بالغ بھی مختلف اصوات میں تمیز کرنے کے لیے اور مختلف الفاظ اور جملوں کا فرق سمجھنے کے لیے اپنے شعورِ سماعت سے کام لیتا ہے۔ جب صوتی اور نحوی امتیازات اس پر نقش ہو جاتے ہیں تو اس کے بعد ہی وہ اصوات اور الفاظ کو بولنے کی کوشش کرتا ہے۔

سماعی اور تقریری مشق
AURAL-ORAL DRILL

لسانیاتی نقطۂ نظر کی رو سے تعلیم زبان میں سب سے پہلے زبان کے سماعی اور تقریری پہلوؤں کو لینا چاہیے۔ شروع شروع میں سات آٹھ ہفتے لکھنے پڑھنے کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جاتی بلکہ سارا وقت سماعی اور تقریری مشق AURAL-ORAL DRILLS میں صرف کیا جاتا ہے۔ گو سننا اور بولنا زبان کے دو مختلف پہلو ہیں لیکن تعلیم زبان کے کام میں ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک کی مشق سے دوسرے کی بھی مشق ہو جاتی ہے۔ ان سماعی اور تقریری مشقوں میں سب سے پہلے صوتیات کی مدد سے امتیازی آوازوں کا فرق بتایا جاتا ہے اور اس کے بعد زبان کے بنیادی جملوں اور لب و لہجے پر توجہ کی جاتی ہے۔ زبانی مشق

کے اس کام میں سماعی بصری آلات AUDIO-VISUAL DEVICES
گراموفون ریکارڈ، ٹیپ ریکارڈر وغیرہ سے بھی مدد لی جاتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ مسلسل مشق سے طالب علم چند ہفتوں میں اس قابل ہو جائے کہ بنیادی بول چال میں حصّہ لے سکے۔

زبانی مشق دراصل تعلیم زبان کے آغاز کا بہترین طریقہ ہے۔ پڑھنے اور لکھنے کی بہ نسبت بولنا آسان بھی ہے۔ اس لیے کہ اس میں رسم الخط کی پیچیدہ علامات کو سیکھنے اور ان کے مخصوص صوتی رشتوں کو یاد رکھنے کی ضرورت نہیں۔ بول چال میں طالب علم کو صرف استاد کے تلفظ کی نقل اتارنا ہے اور اس کے بتائے ہوئے جملوں کی مشق کرنا ہے۔ یہ کام زیادہ دقّت طلب نہیں۔ نیز اس کا نفسیاتی اثر بھی اچھا ہوتا ہے۔ پہلے ہی چند اسباق میں طالب علم اپنی کوشش پر اعتماد سا محسوس کرنے لگتا ہے جس سے نہ صرف کام میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ آگے بڑھنے کا شوق بھی برقرار رہتا ہے۔

ڈائرکٹ طریقِ کار
DIRECT METHOD

لسانیات نے تعلیم زبان کا جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے وہ "ڈائرکٹ طریقِ کار" کے مترادف نہیں۔ ڈائرکٹ طریقِ کار میں غیر ملکی زبان کی تعلیم بات چیت، مباحثے اور تحریری کام کے ذریعے دی جاتی ہے۔ اس میں مادری زبان کا استعمال اور ترجمے سے مدد لینا دونوں ممنوع ہیں، روایتی گرامر بھی نہیں پڑھائی جاتی اور اشیا کے معنی تصویروں، ماڈل، حرکات وغیرہ سے بتائے جاتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ڈائرکٹ طریقِ کار اور لسانیاتی نقطۂ نظر میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ دونوں میں سیاق وسباق سے ہٹ کر گردانیں رٹنے اور

الفاظ یاد کرنے کے بجائے زبان کے اصل استعمال پر زور دیا جاتا ہے۔ دونوں ترجمے کے مخالف ہیں۔ لیکن ڈائرکٹ طریقِ کار میں پڑھنے اور لکھنے کا کام ابتدا ہی سے شروع کر دیا جاتا ہے جبکہ لسانیاتی طریقِ کار میں اسے عمداً ہفتوں ملتوی رکھا جاتا ہے اور صوتیاتی ڈھانچے پر حاوی ہو جانے کے بعد ہی اس طرف توجہ کی جاتی ہے۔ لسانیاتی طریقِ کار میں بھی ترجمے کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی لیکن جہاں مثالوں کو پوری طرح ذہن نشین کرانے کے لیے اس کی ضرورت ہو، اسے ٹاٹ باہر بھی نہیں سمجھا جاتا۔ نیز طالب علم سے یہ کبھی نہیں کہا جاتا کہ وہ آگے کا سبق گھر سے پڑھ کر آئے، کیونکہ زبان سیکھنے کی پہلی منزل میں خاموش مطالعہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ طالب علم کو اگر گھر کا کام دیا جاتا ہے تو فقط یہ کہ جو کچھ اسے جماعت میں سکھایا گیا ہے، وہ اسے اپنے طور پر دہرائے، اہلِ زبان کے تلفظ اور لب و لہجے کی نقل اتارے اور امکانی حد تک اِن امور کی مشق کرے۔ لسانیاتی نقطۂ نظر میں بنیادی بات صوتیات کی اہمیت پہ زور دینا ہے۔ لسانیات نے آوازوں کی نوعیت، ان کے مخارج کی تشریح اور صوتی و معنوی اکائیوں کے جو آسان سائنسی اصول وضع کیے ہیں، ان کے مقابلے میں ڈائرکٹ طریقِ کار میں آوازوں کی تعلیم دینے کے قاعدے پتھر کے زمانے کی چیز معلوم ہوتے ہیں۔

تعاون

لسانیاتی طریقِ کار میں صوتیات پہ جو زور دیا گیا ہے، اس سے خاطر خواہ نتائج پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم مکمل یک سوئی اور دل جمعی سے پڑھے اور استاد کو اس کا پورا پورا تعاون حاصل ہو۔ تعلیمِ زبان کے کٹھن اور صبر آزما کام میں طالب علم کو جی جان سے شریک ہونا چاہیے۔ اُسے نئی زبان کی عجیب آوازیں پیدا کرنے کے لیے ہر قسم

کی شرم اور جھجک کو بالائے طاق رکھنا ہوگا۔ شروع شروع میں یہ آوازیں اُسے کچھ مضحکہ خیز سی معلوم ہوں گی۔ لیکن اگر وہ انھیں صحیح طور پر ادا کرنے سے جھجکے گا تو نتیجتہً خود ایک نہ ایک دن اضحوکہ بنے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ نئی آوازیں خواہ کتنی ہی مضحکہ خیز ہوں، طالب علم انھیں ادا کرنے کی مسلسل مشق کرے، حتیٰ کہ اعضائے صوت میں وہ لچک پیدا ہو جائے جو بچپن میں نئی نئی آوازیں ادا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ وہ بالغ جو اچھا نقال بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، نہایت تیزی سے نئی زبان سیکھ سکتا ہے۔ غیر ملکی زبان سیکھنے کے لیے فقط اہلِ زبان کے تلفظ اور روزمرّہ کی نقالی ہی کافی نہیں، بلکہ اُن کے چہرے کی حرکات اور لب و لہجہ کی مکمل نقل اُتارنا بھی نہایت ضروری ہے۔ طالب علم کو ان تمام مراحل سے گزرنے کے لیے آمادہ ہونا چاہیے۔ اُسے نئی زبان کو مسلسل برتنے کی کوشش کرنا ہوگی اور کبھی کبھی تو یہ کوشش ایسے میں بھی کی جائے گی جب کوئی دوسرا سامنے نہ ہو۔ ابتدا میں اس قسم کی مسلسل جدوجہد بڑی اُکتا دینے اور دل بجھا دینے والی ہوگی۔ لیکن جیسے جیسے طالب علم نئی آوازیں پیدا کرنے میں کامیاب ہونے لگے گا، راہ کی مشکلات خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

علاماتِ خط لسانیاتی طریقِ کار میں زبان کے تقریری پہلو کو اہمیت تو دی گئی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ علاماتِ خط کا استعمال بالکل ممنوع ہے۔ ظاہر ہے کہ نئی زبان سکھاتے ہوئے استاد علاماتِ خط سے ضرور مدد لے گا۔ چھپے ہوئے اسباق، اور درسی کتابیں بھی استعمال کی جائیں گی اور طالب علم کو مشق کا جو کام دیا جائے گا، اس میں بھی علاماتِ خط کا سہارا لینا ناگزیر ہوگا۔

اگر نئی زبان کا رسم الخط اس کے صوتیاتی نظام سے مطابقت رکھتا ہے،

جیسا کہ اسپین اور فن لینڈ کی زبانوں کا ہے تو شروع ہی سے اُسے استعمال کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ لیکن اگر اصوات اور علاماتِ خط میں مکمل مطابقت نہیں جیسا کہ اکثر زبانوں کا اور بالخصوص، چینی، جاپانی اور اُردو کا حال ہے تو تعلیمِ زبان کو رسمِ خط کی تعلیم سے علٰحدہ سمجھنا چاہیے۔ ایسی صورت میں تعلیمِ زبان کی پہلی منزل یعنی زبانی مشق کے اسباق میں بین الاقوامی صوتی رسم الخط INTERNATIONAL PHONETIC ALPHABET سے مدد لی جا سکتی ہے اور جب طالب علم اصواتِ زبان پر حاوی ہو جائے تو اس کے بعد اصل رسمِ خط کی طرف توجہ کی جا سکتی ہے۔

ہر زبان کے حروفِ ہجا اپنی جگہ پر اہم ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ زبان سیکھنے کے لیے ان میں مہارت بہم پہنچائی جائے۔ لسانیاتی نقطۂ نظر کی رو سے تعلیمِ زبان کا اصل مقصد یہ ہے کہ طالب علم اہلِ زبان کی بات چیت پوری طرح سے سمجھ سکے، نئی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار صحیح تلفظ سے کر سکے اور اس کے ذہن میں بھی لفظ و معنی کا وہی رشتہ قائم ہو جائے جو اس زبان میں خاص ہے۔ اس منزل کے بعد طالب علم خواہ نئی زبان کے رسم الخط میں مہارت بہم پہنچائے، اس کی تاریخ سے واقفیت پیدا کرے یا اس کے شعر و ادب کا مطالعہ کرے، یہ سب مراحل ایسے ہیں، جن سے لسانیات کا کوئی سروکار نہیں۔

ذخیرۂ الفاظ
VOCABULARY

زبان کے تقریری اور تحریری پہلوؤں سے بنیادی واقفیت حاصل کرنے کے بعد طالب علم ذخیرۂ الفاظ کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ ابتدائی اسباق میں اس کام کی طرف توجہ نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ الفاظ کا یاد کرنا مشکل

کام ہے، حالاں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرنا تعلیمِ زبان کا آسان ترین مرحلہ ہے۔ لیکن شروع میں چوں کہ طالب علم زبان کے نحوی ڈھانچے سے واقف نہیں ہوتا اور الفاظ کا استعمال نہیں جانتا۔ اس لیے ان کی تعداد میں اضافہ کرنا غیر ضروری ہے۔ بعد میں بھی ذخیرۂ الفاظ بڑھانے کے لیے کسی باقاعدہ تعلیم کی ضرورت نہیں، بلکہ مطالعہ کے ساتھ ساتھ یہ کام خود بخود ہوتا رہتا ہے۔

گرامر

زبان کی گرامر کو فقط گردانوں یا افعال کی مختلف صورتوں کو بتا دینے سے نہیں پڑھانا چاہیے۔ ہمارے اسکولوں میں گرامر یونانی فلسفے کے روایتی انداز پر پڑھائی جاتی ہے جس سے وہ مقصود بالذات ہو کر رہ گئی ہے۔ چنانچہ طلبہ عام طور پر اس میں دل چسپی نہیں لیتے اور اسے بیکار چیز سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، حالاں کہ زبان پر حاوی ہونے کے لیے اس کی اہمیت سے انکار کرنا عقل سے منہ موڑنے کے مترادف ہے۔ لسانیات نے گرامر کی تعلیم کے روایتی طریقے کو یکسر بے معنی قرار دیا ہے اور عملی گرامر پر زور دیا ہے یعنی فقط قواعد و ضوابط بتانے پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ بول چال کے جملوں یا متن کی مدد سے گرامر کو بالواسطہ طور پر سمجھانا چاہیے تاکہ زبان کے قواعد پوری طرح ذہن نشین ہو جائیں اور زبان سے علیحدہ گرامر کا تصور باقی نہ رہے بلکہ گرامر طالب علم کے لیے زبان کا حصہ بن کر سامنے آئے۔

افہام اور اظہار کا فرق

تعلیمِ زبان کے کام میں یہ نکتہ بھی خاطر نشاں رہنا چاہیے کہ زبان پر عبور افہام UNDERSTANDING اور اظہار PRODUCTION کی دو صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، لیکن ان دونوں کی سطح کبھی ایک سی نہیں ہوتی۔ اُن

الفاظ کی تعداد جنھیں ہم سمجھ سکتے ہیں، ہمیشہ ان الفاظ سے زیادہ ہوتی ہے جنھیں ہم تقریر یا تحریر میں استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر ہم کسی خاص ناول، افسانے، ڈرامے یا نظم کو سمجھ تو لیتے ہیں لیکن اس پایے کی چیز لکھ نہیں سکتے۔

یہ بنیادی فرق نئی زبان سیکھتے ہوئے اور بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن در اصل زبان کے یہ دونوں پہلو ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے جیسے اظہار کی صلاحیت بڑھتی ہے، افہام میں بھی گہرائی اور گیرائی آجاتی ہے اور جب افہام میں وسعت آجاتی ہے تو لازماً اس کا اثر قوتِ اظہار پر بھی اچھا ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اظہار کی صلاحیت میں بھی بجائے خود دو سطحیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ تعلیمِ زبان کے ابتدائی اسباق کا مدعا یہی ہوتا ہے کہ زبان کا بنیادی ڈھانچہ امکانی حد تک طالب علم کی غیر شعوری عادتوں کا حصّہ بن جائے۔ اس کے لیے بنیادی جملوں کی اس حد تک مشق کرائی جاتی ہے کہ طالب علم نہ صرف انھیں بے تکلف استعمال کر سکے بلکہ ان کے نمونے کے طور پر موقع و محل کی مناسبت سے نئے جملے بنا کر بات چیت میں حصّہ بھی لے سکے۔ شروع شروع میں کچھ مدت تک مشق کے باوجود نئی زبان کا استعمال شعوری کوشش کا مرہونِ منّت ہوتا ہے۔ ہر لفظ کے استعمال سے پہلے اسے ناپنا تولنا پڑتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے مشق زیادہ ہوتی جاتی ہے اور نئی لسانیاتی عادتیں جڑ پکڑنے لگتی ہیں، طالب علم استعمالِ زبان کی دوسری سطح پر پہنچتا ہے یعنی الفاظ اور افعال خود بخود صحیح طور پر استعمال ہونے لگتے ہیں اور نئی زبان مزاج کا حصہ بن جاتی ہے۔ جب طالب علم تعلیمِ زبان کی اس منزل پر پہنچ جائے تو سمجھیے کہ اس نے نئی زبان سیکھ لی۔

نظر بہ گذشتہ

(۱) تعلیم زبان کے لسانیاتی طریقِ کار میں سب سے پہلے صوتیات کے عمومی پس منظر سے واقفیت کرائی جاتی ہے اور آوازوں کے مخرج بتائے جاتے ہیں. اس کے بعد زبان کے دونوں پہلوؤں یعنی سننے اور بولنے کو نظر میں رکھتے ہوئے "سماعی۔تقریری مشق" سے کام شروع کروادیا جاتا ہے۔ گو طالب علموں کو زبان کی تمام اصوات کی تربیت دی جاتی ہے لیکن زیادہ توجہ فونیم یعنی ان امتیازی آوازوں پر صرف کی جاتی ہے جو معنی کے فرق میں مدد دیتی ہیں۔ پہلا قدم بس یہی ہے کہ شعورِ سماعت کی مکمل تربیت کی جائے یعنی طالب علم میں آوازوں کو پہچاننے اور ان کے صوتیاتی فرق کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

(۲) اصوات اور زبان کے لب و لہجے سے متعلق شعورِ سماعت کی تربیت کے ساتھ ساتھ زبان کے دوسرے پہلو یعنی اظہار پر توجہ کی جاتی ہے اور آوازوں کو پیدا کرنے اور لب و لہجہ کو اپنانے کا کام شروع کر دیا جاتا ہے۔ اس کے لیے سب سے زیادہ اہمیت زبانی مشق کو دی جاتی ہے۔ ماہرینِ لسانیات کا اصول ہے:

DRILL SHOULD BE THE WATCHWORD OF THE TEACHER

(۳) جب طالب علم زبان کی بنیادی آوازوں اور اس کے لب و لہجے پر قادر ہو جائے تو تلفظ کے ان پہلوؤں پر مزید توجہ کی جاتی ہے جو اصلاح کے محتاج ہوں۔ پہلی دو منزلوں میں ساری توجہ فونیم پر مرکوز رکھی گئی تھی، اب دوسرے صوتیاتی نازک فرق بھی بیان کیے جاتے ہیں اور الفاظ و جملوں کی مدد سے ان کی مزید مشق کرائی جاتی ہے۔ جملوں کا انتخاب زبان کے تمام پہلوؤں کو نظر میں رکھتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ تعلیم زبان کا اصل مقصد نئی زبان سے متعلق

معلومات فراہم کرنا نہیں بلکہ طالب علم میں نئی لسانیاتی عادتیں ڈالنا ہے تاکہ وہ نئی زبان کے صحیح استعمال پہ قادر ہو جائے۔

(۴) نئی لسانیاتی عادتوں کے قائم ہونے میں بڑا وقت صرف ہوتا ہے۔ ڈیڑھ دو ماہ کی مسلسل مشق اور محنت کے بعد طالب علم اس قابل تو ہو جاتا ہے کہ نئی زبان میں کچھ کچھ بات چیت کر سکے لیکن ابھی اعضائے صوت میں لچک پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے تلفظ اور جملوں کی ساخت میں کوشش کو دخل ہوتا ہے جس سے لہجے میں بے تکلفی نہیں آتی۔ زبان کا آخری مرحلہ یہ ہے کہ نئی زبان کا صوتیاتی اور لسانیاتی نظام طالب علم کے شعور کا اس حد تک حصہ بن جائے کہ وہ تامل اور کوشش کے بغیر روانی سے بات چیت کر سکے، حتیٰ کہ جب اس کی توجہ زبان کے معنی و مطالب پر مرکوز ہو تب بھی اُسے الفاظ کے تلفظ اور ان کی ترتیب میں کوئی دقت نہ ہو۔ یعنی نئی لسانیاتی عادتیں طالب علم میں اس حد تک راسخ ہو جائیں کہ نئی زبان میں سننے، سمجھنے اور بولنے کا عمل فطری ہو جائے۔

غرض کوئی شخص جسے اپنی زبان اچھی طرح سے آتی ہے، تھوڑی سی مدت میں نئی زبان سیکھ سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی صحیح رہنمائی کی جائے، اسے مناسب اسباق دیئے جائیں اور وہ خود دل و جان سے اس کام میں تعاون کرے۔ مناسب اسباق سے مراد وہ مواد ہے جس کی بنیاد نئی زبان کے لسانیاتی تجزیے پر رکھی جائے گی۔ اس تجزیے کے نتائج جوں کے توں پیش نہیں کیے جائیں گے بلکہ ان کی روشنی میں ایسے اسباق وضع کیے جائیں گے جن کی بتدریج مشق سے طالب علم نئی زبان کے صوتیاتی نظام اور صرفی و نحوی قواعد کے علاوہ اس کے بنیادی ذخیرۂ الفاظ سے بھی آشنا ہو جائے۔

لیکن یہ منزل عشق کی ایک جست میں طے نہیں کی جا سکتی۔ تعلیم زبان کا کام

غالب کے الفاظ میں "طلب گارِ مرد" ہے۔ اس کا کوئی آسان نسخہ آج تک تجویز نہیں ہوا۔ لسانیات نے تعلیمِ زبان کا جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے، اُس سے اس کام میں کچھ سہولت تو پیدا ہو گئی ہے لیکن جہاں تک کامیابی کا تعلق ہے، یہ بہت کچھ طالب علم کے تعاون اور اس کی انفرادی محنت و کوشش پر منحصر ہے، جس میں تقلیدِ اہلِ زبان اور مسلسل مشق دونوں شامل ہیں البتہ لسانیاتی طریقِ کار کو اپنانے سے یہ کام نہ صرف نسبتہً تھوڑے وقت میں ہو سکتا ہے بلکہ بہتر نتائج کی توقع بھی کی جا سکتی ہے۔

BIBLIOGRAPHY

1. How to Learn a Foreign Language,
   Edwin T. Cornelius,
   New York, 1955.
2. Teaching and Learning English as a Foreign Language, Charles C. Fries,
   Ann Arbor, University of Michigan, 1954.
3. The Teaching of English as a Foreign Language,
   T. K. N. Menon and M S. Patel,
   Baroda, 1957
4. Phonetics.
   Pike K. L.,
   Ann Arbor, University of Michigan, 1958.
5. Manual of Phonetics, ed.,
   L. Kaiser,
   Amsterdam, 1957
6. An Introduction to Descriptive Linguistics,
   H. A. Gleason,
   New York, 1960.
7. A Course in Modern Linguistics,
   Charles F. Hockett,
   New York, 1959.
8. Outline of Linguistic Analysis,
   Bernard Bloch and George L. Trager,
   Linguistic Society of America,
   Baltimore, Md. 1942.
9. Hindustani Phonetics,
   Dr. S. Mohiuddin Qadri Zore,
   Villeneuve-Saint-Georges, 1930.
10. Zaban Aur 'Ilm-i-Zaban (Urdu),
    Abdul Qadir Sarwari,
    Hyderabad, 1956.
11. Phonetic and Phonological Study of the Word in Urdu, Dr. Masud Husain,
    Aligarh.

12. The Oral Method of Teaching Languages, Harold E, Palmer
Cambridge, 1955.
13. How to Teach a Foreign Language, Jesperson, 1956.
14. Learning a Foreign Language Nida, E. A., 1959.
15. The Teaching of Modern Languages, I. A. A. M., London, 1956.

کتابچہ آپ نے خوب لکھا ہے، بہت پُر مغز۔ اس بصیرت سے جو صوتیات سے حاصل ہوتی ہے، ہمارے تعلیمی کام میں بڑی آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں اور مدرسوں میں اس علم سے کام لے کر طریقۂ تعلیم بدلا جا سکتا ہے۔ کتابچہ کی کتابت، طباعت مجھے بہت پسند آئی۔

ڈاکٹر ذاکر حسین

مطالعۂ زبان کے جدید طریقوں کے رواج نے ترقی یافتہ مغربی ملکوں میں مختلف زبانوں کے سیکھنے اور سکھانے کے عمل کو بہت آسان بنا دیا ہے۔ اردو ابھی ایسی تصانیف سے تقریباً محروم ہے جن سے ان طریقوں کا علم ہو۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی مختصر کتاب "اُردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو" بڑی خوبی سے اس موضوع کو متعارف کرتی اور تھوڑی سی جگہ میں اس کے بنیادی اصولوں کی توضیح کرتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ زبانوں کے علماء اور معلمین دونوں اسے مفید پائیں گے

سید احتشام حسین